ول ڈیورانٹ

تاریخ عالم کا ایک جائزہ

ظفرالمحسن پیرزادہ

www.kitabosunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

تاریخ عالم کا ایک جائزہ

The Lessons of History

By:

Will Durant & Ariel Durant

ترجمہ: پروفیسر ظفر المحسن پیرزادہ

www.KitaboSunnat.com

ارفع پبلشرز

سمیع سنٹر 38- اُردو بازار، لاہور۔

فون: 0423-7247077

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام کتاب : تاریخ عالم کا ایک جائزہ

(The Lessons of History)

مصنفین : ول ڈیورانٹ۔ آریئل ڈیورانٹ

ترجمہ : پروفیسر ظفرالحسن پیرزادہ

ناشر : اے۔اے پبلیکیشنز

386۔کامران بلاک،علامہ اقبال ٹاؤن،لاہور۔

قیمت : -/Rs. 200

تقسیم کار : علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ،40- اُردوبازار،لاہور۔

فون: 7232336-7352332

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

کچھ کتاب کے بارے میں		5
دیباچہ		7
پہلا باب	مطالعہء تاریخ کے بارے میں شبہات واعتراضات	9
دوسرا باب	ارضیات اور تاریخ	14
تیسرا باب	حیاتیات اور تاریخ	19
چوتھا باب	نسلیات اور تاریخ	28
پانچواں باب	کردار اور تاریخ	39
چھٹا باب	✓ اخلاقیات اور تاریخ	44
ساتواں باب	✓ مذہب اور تاریخ	52
آٹھواں باب	معاشیات اور تاریخ	65
نواں باب	سوشل ازم اور تاریخ	74
دسواں باب	طرزِ حکومت اور تاریخ	87
گیارھواں باب	جنگ اور تاریخ	105
بارھواں باب	عروج وزوال	114
تیرھواں باب	کیا انسان نے واقعی ترقی کی ہے؟	126

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ کتاب کے بارے میں

فلسفہ اور تاریخ کے موضوعات زمانہء قدیم سے ہی انسانی دلچسپی کے مرکز و محور رہے ہیں۔ تاہم ماضی میں ان علوم کا مطالعہ محض علماء و مورخین اور فلاسفہ کے گروہ کے مخصوص افراد تک ہی محدود رہا ہے۔ موجودہ صدی کے دوران تعلیم کے عام ہونے اور تحقیق کے مواقع اور سہولتیں زیادہ میسر ہونے کے باعث مطالعہ ء تاریخ و فلسفہ میں عام لوگوں نے بھی بہت زیادہ دلچسپی لی۔ ان علوم میں عام پڑھے لکھے لوگوں کی دلچسپی بڑھانے میں اہم کردار اُن علماء و مصنفین نے ادا کیا جنہوں نے اِن پیچیدہ اور خشک موضوعات کو عام فہم اور دل نشیں انداز میں پیش کیا۔

وِل ڈیورانٹ دورِ حاضر کے ان مصنفین میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ان کی تصنیف "The Story of Philosophy" کا مغربی دنیا کے عام پڑھے لکھے افراد کو فلسفہ کی تاریخ، مسائل اور اصطلاحات سے متعارف کرانے میں بہت اہم کردار ہے۔ یہ کتاب اپنے دور کی سب سے زیادہ بکنے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی بیس لاکھ سے زیادہ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں اور اس کا ترجمہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہوا ہے۔

وِل ڈیورانٹ اور ان کی رفیقہء حیات آریئل کا حقیقی کارنامہ گیارہ جلدوں پر محیط شہرہء آفاق سلسلہء تصانیف "The Story of Civilization" ہے جسے انکی عمر بھر کی علمی تحقیق اور فکری کاوشوں کا نچوڑ کہا جا سکتا ہے۔

وہ تاریخِ انسانی کو اس کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر سے منسلک و مربوط کر کے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یوں انکی پیش کردہ تاریخ محض بادشاہوں اور امراء کے کارناموں اور فتوحات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی داستاں طرازی کی بجائے معاشرے کے طرزِ زندگی اور فکر و احساس کا مرقع نظر آتی ہے۔ انکی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ماضی کے ان مظاہر کی روشنی میں حال اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں نتائج اخذ کئے جاسکیں۔

مطالعہء تاریخ سے وِل ڈیورانٹ کے اخذ کردہ نتائج سے اِختلاف کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض ناقدین ان کے عمومی نتائج اخذ کرنے کے اس طریق کار پر مُعترض بھی ہیں لیکن جہاں تک ان کی علمیت و بالغ نظری اور تحقیقی رویئے کا تعلق ہے ان سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں۔

زیرِ نظر کتاب کو کم و بیش "The Story of Civilization" کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں مصنّفین نے اپنی علمی تحقیق کے نتائج نہایت ہی جامع انداز میں پیش کیے ہیں۔ اس کتاب کو ترجمے کے لئے منتخب کرتے وقت میرے پیش نظر یہی مقصد تھا کہ مطالعہء تاریخ و تہذیب کے جدید ترین نتائج و نظریات سے اردو زبان کے قارئین کو روشناس کرایا جاسکے۔

اس کتاب کا اختصار ہی اسکی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اپنے خیالات کو کم سے کم الفاظ میں پیش کرنے کی خاطر مصنّفین نے نہایت ہی فصیح و بلیغ زبان استعمال کی ہے جس میں تشبیہات و استعارے اور تلمیحات بڑی فراخدلی سے برتے گئے ہیں۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ مصنّفین کے مافی الضمیر کو اسکی اصل روح کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کرسکوں اصلاح کی گنجائش بہر صورت موجود رہتی ہے میں ان تمام قارئین کا شکر گزار رہوں گا جو اس کتاب کے ترجمہ کے متعلق اپنی آراء سے نوازیں گے۔

پروفیسر ظفر المحسن پیرزادہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ

ہماری اِس تصنیف کے لئے دیباچہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

''تمدن کی کہانی'' (The Story of Civilization) کی تکمیل کے بعد ہم نے اس کی تمام جلدوں کا ایک بار پھر جائزہ لیا تا کہ اس کا ایک نیا ایڈیشن شائع کیا جائے جس میں ان اَغلاط کی تصحیح ہو سکے جو سہواً، حقائق سے لاعلمی، یا پھر چھپائی کی غلطی کے باعث سرزد ہو گئی ہوں۔اس کام کے دوران ہم نے واقعات اور اُن پر تبصروں کو اس نقطۂ نظر سے قلمبند کر لیا کہ یہ موجودہ صورتحال کی وضاحت کرنے اور مستقبل کے امکانات، انسانی فطرت واقوام عالم کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالنے میں مدد دے سکیں۔ہم نے یہ کوشش کی کہ نتائج اَخذ کرنے کے عمل کو اسوقت تک مؤخر کئے رکھیں جب تک کہ ہم پوری تاریخ کا جائزہ مکمل نہ کر لیں۔لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس دوران مواد کا انتخاب کرتے وقت ہماری ذاتی آراء ضرور اثر انداز ہوئی ہوں گی۔

بہر حال اس ساری کاوش کا نتیجہ یہ تصنیف ہے۔ممکن ہے کہ اس میں اُن بہت سے خیالات کی تکرار بھی ہو جو ہم یا ہم سے پیشتر کئی دوسرے مصنفین پیش کر چکے ہیں۔

لیکن اس کتاب کا محرک کسی نئی بات کے اِظہار کا جذبہ نہیں ہے بلکہ یہ تو تاریخ کے بارے میں کسی حتمی رائے اور نتیجہ کی غیر موجودگی کا اظہار ہے۔

اس میں ہم ذاتی اِنکشافات پیش نہیں کر رہے بلکہ یہ تو انسانی علم اور تجربے کا ایک جائزہ ہے۔

جس طرح ہم نے ماضی کی تصانیف کے سلسلہ میں اکثر کیا ہے، یہاں بھی ایک بار پھر اس کام کے دوران اپنی بیٹی ایتھل کے مشوروں اور مدد کا شکر گزاری کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں۔

ول ڈیورانٹ

آرئیل ڈیورانٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا باب

مطالعہء تاریخ کے بارے میں
شبہات واعتراضات

علمِ تاریخ کے مطالعہ و تحقیق کی افادیت و جواز کے بارے میں مورخین و محققین کو کچھ اس قسم کے سوالات واعتراضات کا سامنا ہوتا ہے۔

اس مطالعہ و تحقیق کا کیا فائدہ ہے؟

کیا یہ سارا کام محض تفریحِ طبع کی خاطر نہیں کہ ہم قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں نظریات کے بننے اور مٹنے کی کہانیاں اور ''بادشاہوں کی موت کے افسردہ فسانے'' بار بار دہراتے رہیں؟

کیا مطالعہ تاریخ سے ہماری موجودہ (معاشی و معاشرتی) صورتحال کے بارے میں کوئی توجیہہ وتشریح ممکن ہے؟

کیا اس سے ہماری پالیسیوں اور فیصلوں کے لئے کوئی رہنمائی مل سکتی ہے؟ کیا تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں غیر متوقع حالات کی سختیوں یا اچانک پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے اثرات کی شدت کو کم کرنے میں کوئی مدد مل سکتی ہے؟

کیا مطالعہء تاریخ کی مدد سے ماضی کے واقعات کے تسلسل میں سے کوئی ایسے قواعد وضوابط اخذ کئے جاسکتے ہیں جن کی بنا پر بنی نوع انسان کے مستقبل اور اقوامِ عالم کے مقدر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں پیش گوئی کی جا سکے؟

کہیں یہ تو نہیں کہ مطالعہء تاریخ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچیں کہ بقول رینے سیدیلات (Rene Sedillat) ''تاریخ کا کوئی مفہوم نہیں'' اور نہ یہ ہمیں کچھ سکھاتی ہے۔ بے کراں ماضی اُن غلطیوں کی محض ریہرسل ہے جن کا مستقبل میں وسیع تر پیمانے اور اعلیٰ تر سطح پر ارتکاب کرنا ہمارا مقدر ٹھہرا ہے؟

اکثر اوقات ہمیں ایسا ہی محسوس ہوتا ہے اور اسی باعث تاریخ کے مطالعہ کی افادیت کے بارے میں بے شمار شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔

سب سے پہلے ہمیں جس مسئلے کا سامنا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا حقیقتاً ہمیں ماضی کے بارے میں علم ہے؟ کیا ماضی کے تمام واقعات حقیقی ہیں؟ کیا کوئی ایسی تاریخ بھی ملتی ہے جس پر سب لوگ متفق ہوں؟

ماضی کے کسی بھی واقعہ کے بارے میں ہمارا علم نامکمل، امکانی طور پر غلط، متضاد شہادتوں اور متعصب مورخوں کے بیانات کے باعث مبہم ہوتا ہے جسے ہم اپنے مذہبی اور قومی تعصب و جانبداری سے مزید مسخ کر دیتے ہیں۔

ول ڈیورانٹ (Will Durant) کے الفاظ میں۔

''اکثر تاریخ قیاس آرائی پر مبنی ہے اور باقی ماندہ کی بنیاد تعصب پر ہے''

حتٰی کہ وہ مورّخ جو اپنے ملک، قوم، عقیدے یا طبقے کی جانبداری سے بالاتر ہونے کا دعویدار ہوتا ہے بھی مواد کے انتخاب اور الفاظ کے استعمال میں غیر محسوس اونچ نیچ کے ذریعے ڈھکے چھپے انداز میں اپنی پسند یا ناپسند کا اظہار ضرور کر دیتا ہے۔ ول ڈیورانٹ کے بقول

''مورخ ہمیشہ واقعات اور انسانوں کے بے کراں ہجوم میں سے۔۔۔ جس کی بے انتہا پیچیدگی کا نہ تو وہ احاطہ کر سکتا ہے نہ ہی ادراک۔۔۔ شخصیات و حقائق کی ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابل عمل اقلیت کا جلد بازی میں انتخاب کر کے نتائج کو بے حد سادہ انداز میں پیش کرتا ہے"(۱)۔۔۔پھر موجودہ دور میں صورتحال میں تبدیلی اس قدر تیزی سے ہو رہی ہے کہ ماضی کے واقعات و تجربات سے اخذ کردہ نتائج کی مستقبل میں افادیت مزید مشکوک ہو جاتی ہے۔ 1909ء میں چارلس پے گوئی (Charles Peguy) کا یہ خیال تھا کہ "پچھلے تیس سالوں میں دنیا میں ہونے والی تبدیلیاں حضرت عیسیٰ کے دور سے لے کر اب تک ہونے والی تبدیلیوں سے زیادہ ہیں" اب کوئی نوجوان ماہرِ طبیعیات اس بات میں یہ اضافہ بھی کر سکتا ہے کہ 1909ء سے لے کر اب تک سائنس میں ہونے والی تبدیلیاں پچھلے تمام زمانوں میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں سے زیادہ ہیں۔ اب تو ہر سال۔۔۔ بلکہ دوران جنگ تو بعض اوقات ہر ماہ۔۔۔ کسی نئی ایجاد، نئے طریقہ یا نئی صورتحال کے پیش نظر انسانی رویوں اور نظریات کی از سرِ نو تطبیق (Adjustment) پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

مزید برآں یوں محسوس ہوتا ہے گویا انسانوں اور دوسری مادی چیزوں کے طرزِ عمل میں اتفاق (Chance) یا شائد آزادروی کا عنصر کچھ زیادہ ہی راہ پا گیا ہے۔ اب تو ہم یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ جاندار تو کجا، ایٹم بھی مستقبل میں وہی طرزِ عمل اختیار کریں گے جو ماضی میں ان کا رہا ہے۔ مادے کے سب سے چھوٹے ذرے الیکٹرون کو ہی لے لیجئے۔ کوپر (Cowper) کے بے نیاز خدا کی مانند اِن کی معجزہ نما کارکردگی کا انداز بالکل نرالا اور پراسرار ہے۔ بعض اوقات کسی ایک فرد کے کردار یا حالات میں کوئی تبدیلی اس دنیا کے معاملات کو وسیع پیمانے پر تہہ وبالا کر سکتی ہے جیسا کہ کثرتِ شراب نوشی سکندرِ اعظم کی جوانی میں وفات اور اسکی قائم کردہ سلطنت کے پارہ پارہ ہونے کا سبب بنی (323 ق م)۔ یا پھر جس طرح

۱۔ Will Durant, Age of Faith P-979

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فریڈرک اعظم 1762ء میں محض اس زار روس کے تخت نشین ہونے کے باعث تباہ و برباد ہونے سے بچ گیا جو جرمن آداب واطوار کا بہت دلدادہ تھا۔

بلا شبہ تاریخ نویسی کا علم سائنس کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ اسے ایک صنعت، ایک فن اور ایک فلسفہ کہا جا سکتا ہے۔۔۔ صنعت وہ جو پوشیدہ حقائق کو تلاش کر کے بے نقاب کرے، فن ایسا جو حاصل شدہ معلومات کے خلفشار سے بامعنی ترتیب و نظم پیدا کر دے، فلسفہ یوں کہ اس کے لئے حالات کا پس منظر اور خرد مندی درکار ہے۔

مطالعہ تاریخ کے حق میں سب سے زیادہ امید افزاء اور قابل یقین حقیقت اس امر میں پنہاں ہے کہ

"ہمارا حال ہمارے ماضی کا مجموعہ برائے عمل ہے اور ہمارا ماضی سمجھنے کے لئے پھیلا ہوا زمانہ حال" (۱)

فلسفہ میں ہم جز کو کل کی روشنی میں دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ "فلسفہ تاریخ" میں موجودہ لمحے کو ماضی کی روشنی میں دیکھا پرکھا جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ایک حقیقت ہمارے پیش نظر ضرور رہنی چاہیئے وہ یہ کہ پس منظر (خواہ وہ فلسفہ تاریخ کے حوالے سے ماضی ہو یا فلسفہ کے نقطہ نظر سے کل) کے متعلق مکمل علم محض ایک فکری مغالطہ ہی ہے۔ ہمیں پوری انسانی تاریخ کے بارے میں مکمل معلومات نہیں ہیں۔

ممکن ہے سُمیری یا مصری تہذیبوں سے پیشتر کئی اور تہذیبیں موجود ہوں۔ ابھی تو ہم نے تہذیب و تمدن کی تاریخ کے بارے میں جانا شروع ہی کیا ہے۔ چونکہ ہم محض جزوی علم کی بنا پر ہی عملی قدم اٹھاتے ہیں اس لئے اس عبوری مرحلے پر ہمیں صرف امکانات پر ہی اکتفا کرنا چاہیئے۔

Will Durant, The Reformation viii ـ۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سائنس اور سیاست کی مانند فی الحال تاریخ میں بھی اِضافیت کا دور دورہ ہے۔ اس لئے مطالعہِ تاریخ کی بنا پر اَخذ کردہ قوانین کو شک وشبہ سے بالاتر نہیں سمجھنا چاہیئے۔

"تاریخ اس تمام تگ ودَو پر خندہ زن ہے جو اس کے بہاؤ کو نظری سانچوں یا منطقی دائروں میں مقید کرنے کو کی جاتی ہے۔ یہ ہمارے بنائے ہوئے تمام کُلیّوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے اور ہمارے نافذ کردہ تمام قوانین کا مضحکہ اُڑاتی نظر آتی ہے۔ تاریخ تو بہت ہی ٹیڑھی میڑھی ہے!"(۱)

اگر مطالعہءِ تاریخ کے دوران ہم ان باتوں کو مدنظر رکھیں تو دوسری معلومات کے علاوہ ہم حقائق کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرنا اور اختلاف رائے کا احترام کرنا بھی سیکھ سکتے ہیں۔

چونکہ انسان کائناتی وقت میں ایک لمحے کی حیثیت رکھتا ہے، زمین پر اپنی زندگی گزارتا ہے، جاندار انواع میں سے ایک تخمک (Spore) اور نسلِ انسانی کا ایک فرد ہے۔ وہ ایک جسم کردار اور سوچ کا مرکّب، ایک خاندان یا گروہ کا رکن بھی ہے۔ انسان یا تو کسی مذہبی عقیدے کا پیروکار ہوتا ہے یا پھر متشکک۔ وہ ایک معیشت کے اندر ایک اکائی، ایک ریاست کا شہری یا ایک فوج کا سپاہی ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم انہی متعلقہ عنوانات ۔۔۔ فلکیات، ارضیات، جغرافیہ، حیاتیات، نسلیات، نفسیات، اخلاقیات، مذہب، معاشیات، سیاسیات اور جنگ ۔۔۔ کے تحت اس بات کا جائزہ لیں گے کہ مطالعہءِ تاریخ سے انسانی فطرت، اس کے طرزِ عمل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے۔ یہ ایک بڑا ہی غیر یقینی سا کام ہے صرف کوئی احمق ہی ایک سو صدیوں کے حالات و واقعات کا نچوڑ سو صفحات کے نتائج کی صورت میں پیش کرنے کی جسارت کرسکتا ہے! اور ہم یہی کر رہے ہیں!

۱۔ Will Durant, The Age of Reason Begins P-267

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب

ارضیات اور تاریخ

اگر چہ مطالعہ تاریخ کے وسیع امکانات واطلاقات کے پیش نظر تاریخ کی صحیح تعریف کرنا تو مشکل ہے تاہم اسے ماضی کے وقوعات وسرگزشت کا نام دے سکتے ہیں۔

انسانی تاریخ اس وسیع و بے کراں کائنات میں ایک حقیر ومختصر دھبے کی مانند ہے اور انکساری تاریخ کا پہلا سبق ہے۔ کسی بھی لمحے کوئی دم دار ستارہ ہماری زمین کے اس قدر قریب آسکتا ہے کہ وہ ہمارے اس ننھے سے کرّے کو یکا یک تہہ و بالا کردے۔ یا یہاں بسنے والے انسانوں اور حشرات الارض کا حرارت اور زہریلے بخارات سے دَم گھونٹ کر خاتمہ کردے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ درخشاں سورج سے کوئی ٹکڑا افقی طور پر اڑے (جس طرح کچھ لوگوں کے خیال کے مطابق بہت عرصہ پہلے ہماری زمین پیدا ہوئی تھی) اور ہمیں اپنی لپیٹ میں لے کر یہ سب جھنجھٹ ختم کردے۔

انسانی ترقی کے اس سفر کے دوران درپیش ان سب اِمکانات وخطرات کے بارے میں ہمیں علم ہے۔ ہمارے پاس اس کا جواب وہی ہے جو پاسکل (Pascal) نے کبھی دیا تھا۔ ''اگر کائنات انسان کو نیست و نابود کر بھی دے تب بھی انسان اپنے پر فتح پانے والی ان کائناتی قوتوں سے عظیم تر ہوگا۔ کیونکہ اسے تو یہ علم ہوگا کہ وہ مر رہا ہے جب کہ کائنات کو اپنی فتح کا کوئی علم نہیں ہوسکے گا''۔

تاریخ ''علمِ ارضیات'' سے عبارت ہے۔ ہر روز کہیں نہ کہیں سمندر سطح زمین پر پھیل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے یا پھر زمین سمندر سے نمودار ہو جاتی ہے۔شہر غرقاب ہو جاتے ہیں اور ڈوبے ہوئے مندروں کی گھنٹیاں ان کی تباہی وغرقابی پر نوحہ کناں سنائی دیتی ہیں۔تعمیر و تخریب کے عمل میں پہاڑ بڑھتے گھٹتے رہتے ہیں، دریا کبھی سیلاب لاتے، کبھی خشک ہوتے یا اپنا راستہ بدلتے نظر آتے ہیں۔ارضیاتی نقطہ نظر سے سطح زمین مستقل شکل بدل رہی ہے اور اس پر انسان کا رہنا سہنا اتنا ہی خطرناک اور غیر محفوظ ہے جتنا کہ پیٹر (Peter) کا پانی کی موجوں پر چل کر حضرت عیسیٰ کی طرف جانا۔

موجودہ دور میں آب و ہوا انسانی ترقی پر اس قدر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتی جتنا کہ منٹیسقیو(۱)(Montesquieu) یا بکل(۲)(Buckle) کا خیال تھا۔البتہ یہ انسانی ترقی کو محدود ضرور کرسکتی ہے۔انسان کی خوش تدبیری اکثر ارضیاتی رکاوٹوں ومشکلات پر غالب رہتی ہے۔وہ ریگستانوں کو سیراب اور صحراؤں کو ائیر کنڈیشنڈ کرسکتا ہے۔پہاڑوں کو تسخیر کرنا اور ان پر گلستان و تاکستان سجانا اسی کی ہمت ہے۔انسان نے سمندروں کو عبور کرنے کے لئے ایسے بحری جہاز بنائے ہیں جن پر تیرتے ہوئے شہروں کا گمان ہوتا ہے۔آسمانوں پر اڑنے کے لئے اس نے جناتی پرندوں جیسے ہوائی جہاز ایجاد کر لئے ہیں۔

لیکن وہ شہر جسے بننے میں ایک صدی لگی ہو اُسے ایک طوفان محض ایک گھنٹے میں تباہ و برباد کرسکتا ہے۔اسی طرح ایک برفانی تودہ تیرتے ہوئے شہر جیسے بحری جہاز کو آناً فاناً الٹ کر یا اُسے توڑ پھوڑ کر اس پر موجود ہزاروں خوش وخرم لوگوں کو موت کے غوطے کھلا سکتا ہے۔بارش ہی کو لیجئے۔اگر یہ بالکل کم ہو جائے تو تہذیبیں ریت میں دفن ہو جاتی ہیں جیسا کہ وسطی ایشیا میں ہوا۔اور اگر یہ بہت زیادہ ہونے لگے تو (جیسا وسطی امریکہ میں ہوا)۔تہذیب و تمدن جنگل کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔اگر ہمارے ترقی یافتہ خطوں کے درجہ حرارت میں اوسطاً بیس درجے کا

۱۔مورخ اور فلسفی، فرانسیسی قانون دان(1689-1755) ۲۔انگریز مورخ (1821-1862)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضافہ ہو جائے تو اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ ہم میں کاہلی اور وحشت و بربریت پھر عود کر آئے۔ نیم استوائی آب وہوا کے خطوں میں بسنے والے کروڑوں لوگ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں لیکن سُست اور کمزور بنا دینے والی اس گرم آب و ہوا کے باعث یہ لوگ سرد علاقوں کے رہنے والے سرگرم و محنتی حملہ آوروں کے مفتوح رہے ہیں۔

نسلوں کی محنت کے بعد انسان روئے زمین پر دسترس اور برتری حاصل کرتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ سب محنت پیوندِ خاک ہو جاتی ہے۔

جغرافیہ کو ہم تاریخ کا منبع و ماخذ، اس کو پروان چڑھانے اور اس کی تنظیم کرنے والا کہہ سکتے ہیں۔ زمین کے جغرافیائی عناصر و خدوخال یعنی دریا، جھیلیں، نخلستان اور سمندر آبادی کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ کیونکہ پانی میں ہی جانداروں اور شہروں کی زندگی پنہاں ہے۔ یہی آمدورفت اور تجارت کے اَرزاں رستے فراہم کرتا ہے۔ مصر کو "تحفۂ نیل" کہا جاتا تھا۔ میسو پوٹیمیا (Mesopotamia) میں دریاؤں کے درمیان اور ان کی نہروں کے ساتھ ساتھ مسلسل کئی تہذیبیں پروان چڑھیں۔ ہندوستان میں آبادی اور تہذیب وتمدن دریائے سندھ، برہم پترا اور گنگا کی مرہونِ منت تھی۔ چین میں انسانوں کی زندگی اور موت کا دارومدار ان عظیم دریاؤں پر تھا جو سیلاب سے زمینوں کو زرخیز بنا دیتے تھے۔ اٹلی کی رونق اور شان ٹائبر (Tiber) آرنو (Arno) اور پو (Po) جیسے دریاؤں کی وادیوں سے تھی۔ آسٹریا کی ترقی وخوشحالی دریائے ڈینیوب (Danube) کی بدولت تھی۔ جرمنی کی تجارت وصنعت دریائے البے (Elbe) اور دریائے رہائین (Rhine) کی مرہونِ منت تھی اور فرانس کی تہذیب وترقی کا باعث دریائے لائر (The Loir) دریائے رہون (The Rhone) اور دریائے سین (Seine) تھے۔ پیٹرا (Petra) اور پال میرا (Palmyra) کے شہر نخلستانوں کے باعث آباد تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب یونان کی آبادی میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ اس کا اپنی سرحدوں میں سمانا ممکن نہ رہا تو یونانیوں نے بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے ساتھ ساتھ اپنی نوآبادیاں بسالیں (بقول افلاطون "جس طرح مینڈک تالاب کے گرد بنا لیتے ہیں") سلامیز(ا) (Salamis) کی لڑائی (480ق م) سے لے کر ہسپانوی آرمیڈا (Armada) کی شکست (1588ء) تک۔۔۔تقریباً دو ہزار سال بحیرہ روم کے شمالی اور جنوبی ساحلوں پر غلبہ کے لئے یورپی اقوام باہم دست و گریباں رہیں۔لیکن 1492ء کے بعد کولمبس (Columbus) اور واسکوڈی گاما (Vascoda Gama) کی بحری مہمات کے باعث لوگوں میں سمندری تجارت اور سفر کے شوق میں اضافہ ہوا۔اور تب بحیرہ روم کی اہمیت و مرکزیت کا خاتمہ ہوگیا۔جنوا (Genoa)، پیسا (Pisa)، فلورنس (Florence) اور وینس (Venice) کی شان وشوکت اور عظمت گہنا گئی۔نشاۃ ثانیہ کا عروج دھندلانے لگا۔بحر اوقیانوس کی قوموں نے عروج حاصل کیا اور آخر کار اپنی فرماں روائی آدھی دنیا تک پھیلا دی۔

1730ء کے لگ بھگ جارج برکلے (George Berkeley) نے لکھا تھا۔

"استعماریت کا پھیلاؤ مغرب کی طرف ہے" کیا یہ پھیل کر بحرالکاہل کے پار نکل جائے گی؟ اس پھیلاؤ کے باعث کیا یورپ اور امریکہ کی صنعتی اور تجارتی ٹیکنالوجی کا بہاؤ چین کی طرف اسی طرح جاری رہے گا جیسے پہلے جاپان کیلئے تھا؟

کیا مشرق کی بڑھتی ہوئی آبادی کا جدید ترین یورپی ٹیکنالوجی کا استعمال مغرب کے زوال کا سبب نہ بن جائے گا؟

ہوائی جہازوں کی ترقی کے باعث ایک بار پھر تمدن کے نقشہ میں تبدیلی کا امکان نظر آتا

ا۔ ایتھنز کے نزدیک ایک یونانی جزیرہ جہاں ۴۸۰ قبل مسیح میں یونانیوں اور ایرانیوں میں بحری جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔تجارتی سفر کے لئے دریاؤں اور سمندروں کا استعمال کم سے کم ہوتا جائے گا اور اشیاء اور مسافر زیادہ سے زیادہ براہ راست فضائی راستوں سے اپنی منزل تک پہنچیں گے۔فرانس اور انگلستان کو اپنے کٹے پھٹے ساحلوں کی بنا پر جو تجارتی برتری حاصل ہے اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ روس، چین اور برازیل جیسے ممالک جنہیں ساحل کی نسبت اپنے خشکی کے رقبہ کی وسعت کی بنا پر تجارتی ترقی میں جن مشکلات کا سامنا تھا اب فضائی آمدورفت کے ذرائع سے وہ ان رکاوٹوں پر بڑی حد تک قابو پالیں گے۔اب ساحلی تجارتی شہروں کو سامان کی ریل سے جہاز یا جہاز سے ریل میں منتقلی کے بھدّے کاروبار سے نسبتاً کم آمدنی ہوگی۔جب نقل وحمل اور میدان جنگ میں بحری قوت کی جگہ پوری طرح ہوائی قوت استعمال ہونے لگے گی تو اس وقت تاریخی طور پر ایک اور بنیادی انقلاب برپا ہو جائے گا۔

ٹیکنالوجی میں روز افزوں ترقی کے ساتھ جغرافیائی عوامل کا اثر ورسوخ کم ہوتا رہا ہے۔کسی علاقے کی ساخت اور طبعی خدوخال وہاں زراعت، کان کنی یا تجارت کے مواقع تو فراہم کرسکتے ہیں۔لیکن ان امکانات کو حقیقت میں ڈھالنے کا انحصار صرف وہاں کے رہنماؤں کی قوت متخیلہ اور پیش قدمی کرنے کی صلاحیت اور ان کے پیروکاروں کی جفاکشی ومحنت پر ہے۔ صرف یہی امتزاج (جیسا کہ آج کے اسرائیل میں نظر آتا ہے) ہی ہزاروں قدرتی رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود بھی ایک تہذیب کو جنم دے سکتا ہے۔

تمدن انسان پیدا کرتا ہے زمین نہیں!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا باب

حیاتیات اور تاریخ

چونکہ انسان خشکی اور سمندر میں پائے جانے والے انواع واقسام کے جانداروں میں سے ایک ہے۔اس لئے تاریخ کو علمِ حیاتیات کا ایک جُز بھی سمجھا جاسکتا ہے۔بعض اوقات جب کبھی موسم گرما میں ہم جنگل میں اکیلے مٹر گشت کر رہے ہوں تو ہم سینکڑوں قسم کے جانداروں کو اڑتے، چھلانگیں لگاتے، رینگتے یا چیزوں کو کریدتے ہوئے دیکھ یا سن سکتے ہیں ہماری آمد پر یہ جاندار حیران ہو کر اِدھر اُدھر کھسک جاتے ہیں۔پرندے منتشر ہو جاتے ہیں۔مچھلیاں ندی میں غائب ہو جاتی ہیں۔اس وقت اچانک ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ اس سیارے (زمین) پر جو کہ ہماری موجودگی سے بالکل بے نیاز ہے نوعِ انسانی تو دوسرے جانداروں کے مقابلے میں محض ایک حقیری اقلیت ہے۔ایک لمحے کیلئے تو ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ انواع واقسام کے جاندار تو ہم انسانوں کو اپنی اس قدرتی بَستی (زمین) میں مداخلت کار ہی خیال کرتے ہونگے۔یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب ہم تمام انسانی کاوشوں اور کارہائے نمایاں کو محض ایک کثیر المراحل زندگی کی تاریخ اور اس کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔اس طرح ہمیں ہماری ساری معاشی تگ ودو، اپنے جیون ساتھی کیلئے تڑپ، ہماری بھوک، محبت، غم اور جنگ بالکل ان گرے ہوئے درختوں، پتوں، پانی یا جھاڑیوں میں چھپی مخلوقات کی خوراک کی تلاش، ہم ملاپ کی جستجو، زندگی کو قائم رکھنے کی تگ ودو اور اس میں پیش آمدہ مصائب کی مانند دکھائی دیتی ہے۔

تب ہمیں اِدراک ہوتا ہے کہ حیاتیات کے قوانین تاریخ کے بنیادی اسباق ہیں۔ہم ارتقاء کے اصولوں اور طریق ہائے کار۔۔۔اپنی بقا کی جدوجہد اور اس جدوجہد کے نتیجہ میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موزوں ترین کی بقاء۔۔۔ کے تابع ہیں۔اگر ہم میں سے کچھ کو اس جدو جہد اور مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تو اس کی وجہ یہ ہے انہیں اپنے گروہ کی حمایت وتحفظ حاصل ہوتا ہے۔لیکن اس گروہ کو بھی بذات خود اپنی بقا کیلئے امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے۔

پس تاریخ کا پہلا حیاتیاتی سبق یہی ہے کہ زندگی پیہم مقابلہ کا نام ہے۔مقابلہ نہ صرف بیوپار کی جان ہے بلکہ یہ تو جان کا بیوپار بھی ہے۔اگر اشیاء ووسائل کی کثرت ہو تو مقابلہ پر امن رہتا ہے جب اشیاء ووسائل کی قلت ہو جائے تو مقابلہ کی دوڑ پر تشدد ہو جاتی ہے۔جانور ایک دوسرے کو کسی ہچکچاہٹ یا ضمیر کی خلش کے بغیر کھا جاتے ہیں۔مہذب انسان ایک دوسرے کو ہڑپ کرنے کیلئے قانون کا سہارا لیتے ہیں۔

سماجی ترقی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ باہمی تعاون میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ باہمی تعاون مقابلے کا ایک ہتھیار بلکہ اس کی ایک شکل ہے۔ہم باہمی تعاون (Co-operation) اپنے گروہ۔۔۔یعنی اپنے خاندان،طبقے،کلب، چرچ،پارٹی،نسل یا قوم۔۔۔کے اندر ہی کرتے ہیں تا کہ ہمارا یہ گروہ دوسرے گروہوں سے مقابلہ کیلئے زیادہ طاقتور ہو جائے۔مقابلہ کرنے والے گروہوں میں (مسابقت کرنے والے) افراد کی تمام خصوصیات مثلاً حرص،جھگڑالو پن،غرور،تعصب وجانبداری پائی جاتی ہیں۔

ہماری ریاستیں بھی چونکہ اجتماعی طور پر ہماری نمائندگی کرتی ہیں ان کا رویہ بھی بعینہ ہمارے رویّوں جیسا ہوتا ہے یہ ہماری انسانی فطرت کو وسیع پیمانے پر منعکس کر دیتی ہیں اور ہمارے اچھے برے انفرادی اعمال کو بڑی سطح پر اجتماعی حیثیت میں انجام دیتی ہیں۔ہم میں حرص،لالچ اور جھگڑالو پن اس لئے ہے کیونکہ ہمارے خون میں ان ہزاروں سالوں کی یادیں رچی بسی ہیں جب ہمارے آباؤاجداد کو زندہ رہنے کیلئے دوڑنا،بھاگنا،لڑنا اور مارنا پڑتا تھا۔اور وہ اس خوف سے حلق تک ٹھونس کر کھایا کرتے تھے کہ مبادا اگلا شکار جلدی نہ مل سکے اور بھوکوں مرنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑے۔۔۔جنگ بھی کسی قوم کا اندازِ طعام ہے۔۔چونکہ یہ مقابلہ کی انتہائی صورت ہے اس لئے اس کے باعث تعاونِ باہمی میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔جب تک ہمارے ملک بڑے اور موثر حفاظتی گروہ کے رکن نہیں بن جاتے ان کا طرزِ عمل عہدِ شکار (Hunting Stage) کے خاندان یا افراد کی مانند ہی رہے گا۔

تاریخ کا دوسرا حیاتیاتی سبق یہ ہے کہ زندگی ترجیحی بنیادوں پر انتخاب کے عمل سے عبارت ہے۔خوراک کے حصول، جیون ساتھی کی تلاش، یا طاقت کیلئے مقابلہ کی دوڑ میں بعض جاندار کامیاب ہوتے ہیں اور بعض ناکام۔زندگی کی جدوجہد میں بعض افراد بقا کیلئے درپیش مصائب و مسائل کا مقابلہ کرنے کی بہت بہتر صلاحیت رکھتے ہیں۔چونکہ فطرت (یہاں اس کا مطلب اس کائنات کی کلی حقیقت اور اس کے تمام عوامل ہیں) نے تو امریکی اعلانِ آزادی یا اِنقلاب فرانس کے دوران جاری شدہ انسانی حقوق کے اعلامیہ کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی وہ ان پر عمل کرنے کی پابند ہے (کہ انسانوں کو برابر بنا دے)۔اس لئے ہم سب غیر مساوی اور غیر آزاد پیدا ہوتے ہیں۔یہ عدم مساوات اور پابندیاں ہمارے نفسیاتی اور طبعی توارث، اور ہمارے گروہ کے رسم و رواج اور روایات کی بنا پر ہیں۔کیونکہ یہی باتیں ہماری جسمانی صحت اور طاقت، ذہنی استعداد اور کردار کی صفات میں تنوع پیدا کرتی ہیں۔قدرت کو "اختلاف" بہت مرغوب ہے کیونکہ اسی کے باعث ترجیحی انتخاب اور ارتقاء کیلئے ضروری مواد فراہم ہوتا ہے۔تب ہی تو بظاہر یکساں دکھائی دینے والے توام بچوں میں سو طرح کے فرق پائے جاتے ہیں۔اور مٹر کے دو دانے بھی ہر لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے۔

غیر یکسانیت نہ صرف قدرتی اور خلقی ہے بلکہ تہذیب کی پیچیدگی کے ساتھ ساتھ اس میں مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے۔توارثی نا برابری سے سماجی اور معاشرتی غیر یکسانیت (Inequality) جنم لیتی ہے ہر ایجاد یا دریافت جس کا سہرا کسی ترجیحی طور پر منتخب غیر معمولی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرد کے سر ہوتا ہے، طاقتور کو مزید طاقتور اور کمزور کو پہلے کی نسبت کمزور تر بنا دیتی ہے۔ معاشی ترقی کے باعث انسانی افعال کی تخصیص (Specialization) نے انسانی صلاحیتوں کے فرق کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے اور اب اپنے گروہ کیلئے فردکی افادیت بہت زیادہ غیر یکساں ہوگئی ہے۔

اگر ہمیں اپنے ساتھی انسانوں کے بارے میں مکمل طور پر علم ہو تو ہم ان میں سے تیس فیصد ایسے افراد کا انتخاب کر سکتے ہیں جن کی مجموعی صلاحیت و قابلیت باقی ماندہ ستر فیصد افراد کی صلاحیت کے برابر ہوگی تاریخ اور زندگی کا یہ غیر منصفانہ طرز عمل ہمیں کیلون کے خدا (Calvin's God) کی من مانیوں کی یاد دلاتا ہے۔ ہمارا آزادی اور مساوات کا تخیلاتی گٹھ جوڑ (Union) فطری طور پر مضحکہ خیز ہے کیونکہ آزادی اور مساوات میں تو ازلی اور مستقل بَیر ہے۔ جہاں ان میں سے ایک غالب ہو تو دوسرا خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اگر انسانوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو ان کی فطری غیر یکسانیت بڑی تیزی سے اپنا رنگ دکھائے گی۔ جس طرح انیسویں صدی میں امریکہ اور انگلستان میں آزادانہ مقابلہ کے نظام (Laissez-faire) کے تحت ہوا تھا۔ عدم مساوات میں اضافہ کو روکنا مقصود ہو تو اس کیلئے آزادی کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ جس طرح 1917ء کے انقلاب کے بعد روس میں ہوا۔ حتیٰ کہ عدم مساوات تو پابندیوں میں بھی بڑھتی ہی رہتی ہے۔

مساوات کی خواہش صرف ان افراد کو ہوتی ہے جو اوسط درجہ سے بھی کم معاشی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں جبکہ وہ لوگ جنہیں اپنی برتر صلاحیت کا عرفان ہوتا ہے آزادی کے خواہشمند ہوتے ہیں اور یہ برتر صلاحیت والے لوگ ہی اپنا لوہا منوا لیتے ہیں۔ حیاتیاتی طور پر مساوات پر مبنی تخیلاتی دنیا کا وجود ممکن نہیں ہے۔

ایک انسان دوست فلسفی زیادہ سے زیادہ قانونی انصاف اور تعلیمی مواقع کی کسی حد تک مساوات پر مبنی معاشرہ کی امید رکھ سکتا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں تمام پوشیدہ صلاحیتوں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نشوونما اور ان کے عملی اظہار کے مواقع میسر ہوں وہ اپنی بقاء کے لئے دوسرے گروہوں کے ساتھ مقابلہ کے دوران برتر اور بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرے گا۔ اپنی بقاء کیلئے یہ مقابلہ دن بدن زیادہ مشکل ہوتا جا رہا ہے کیونکہ ذرائع کی ترقی کے باعث ریاستوں کے درمیان فاصلے سمٹ جانے سے باہمی کشمکش میں شدت پیدا ہو گئی ہے۔

تاریخ کا تیسرا حیاتیاتی سبق یہ ہے کہ زندگی کو اپنے آپ کو مزید بڑھانا چاہئے۔ قدرت کو ایسے جانداروں انواع اور گروہوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو اپنی تعداد میں بکثرت اضافہ نہ کر سکیں۔ اسے تو جاندار زیادہ تعداد میں اچھے لگتے ہیں کیونکہ کثیر تعداد میں سے ہی معیاری انتخاب کرنا ممکن ہے۔ تب ہی تو قدرت کو بچوں کے بڑے جھول پسند ہیں تاکہ وہ ان میں سے با آسانی و سہولت چند ایک کو زندہ رہنے کیلئے منتخب کرے۔ بلاشبہ اسی لئے ایک انڈے کو بار آور کرنے کیلئے مادہ تولید کے ہزاروں جرثوموں کی دیوانہ وار کوشش کو فطرت کی آشیر باد حاصل ہے۔ فطرت کو افراد سے زیادہ انواع میں دلچسپی ہے اور تمدّن و بربریت اس کی نظر میں یکساں ہیں۔ نہ اسے اس بات کی پرواہ ہے کہ زیادہ شرح پیدائش کی بنا پر کم تہذیب یافتہ تمدّن پیدا ہوتا ہے اور کم شرح پیدائش اعلیٰ تہذیب و تمدن پر منتج ہوتی ہے۔ فطرت کا سبق تو یہی ہے کہ کم شرح پیدائش والی قوم وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی زیادہ بار آور گروہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتی رہے گی۔ سیزر (Caesar) کے زمانہ میں گال (Gaul) رومی فوجوں کے باعث جرمن حملہ آوروں سے محفوظ رہا۔ اور ہمارے زمانے میں برطانوی اور امریکی فوجوں کی وجہ سے۔ رومی سلطنت کے زوال کے بعد جرمنی سے فرینک (Franks) گال میں در آئے اور اسے فرانس بنا دیا۔ اگر امریکہ اور انگلستان کو شکست ہو جاتی تو فرانس جس کی آبادی میں انیسویں صدی کے دوران کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ ایک بار پھر تاراج ہوتا۔

اگر انسانی آبادی میں خوراک کی فراہمی کی صلاحیت کی نسبت بہت زیادہ اضافہ ہو

www.KitaboSunnat.com

جائے تو قدرت توازن بحال کرنے کیلئے تین عوامل ۔۔۔قحط، وبا اور جنگ ۔۔۔کو بروئے کار لاتی ہے۔تھامس مالتھس (Thomas Malthus) نے اپنے مشہور مقالہ (1798ء) ''آبادی پر مضمون'' (Essay on Population) میں وضاحت کی تھی کہ ان وقفے وقفے سے آنے والے تباہ کن مصائب کی عدم موجودگی میں شرح پیدائش شرح اموات سے اس قدر زیادہ ہو جائے کہ کھانے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافے کے باعث خوراک کی پیداوار میں ہونے والا اضافہ بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے۔اگرچہ مالتھس ایک پادری اور فطرتاً نیک و رحمدل شخص تھا لیکن پھر بھی اس کا یہ کہنا تھا کہ ہم غرباء کو امدادی رقوم یا اشیاء فراہم کر کے انہیں جلد شادی کرنے اور بے تحاشا بچے پیدا کرنے پر اکساتے ہیں دوسرے معنوں میں خیرات و امداد کی فراہمی سے آبادی میں اضافے کا مسئلہ سنگین تر ہوتا جاتا ہے۔اسی مضمون کے دوسرے ایڈیشن مصنفہ 1803ء میں اس نے جنسی اختلاط سے پرہیز کا مشورہ دیا الّا یہ کہ اس کا مقصد افزائش نسل ہو۔لیکن وہ ضبط تولید کے دوسرے ذرائع اختیار کرنے کے حق میں نہیں تھا۔چونکہ اسے اپنے اس جنسی پرہیز کے مشورہ کے مقبول عام ہونے کی کوئی امید نہ تھی اس لئے اس نے یہ پیشن گوئی کر دی تھی کہ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی آباوی اور خوراک کی رسد میں توازن قحط، وبا اور جنگ کے ذریعے ہی قائم رہے گا۔

انیسویں صدی میں زراعت کی ترقی اور ضبطِ تولید کے طریقوں پر عمل درآمد نے بظاہر مالتھس کے نظریہ کو باطل کر دکھایا انگلستان، ریاستہائے متحدہ امریکہ، جرمنی اور فرانس میں خوراک کی فراہمی آبادی میں اضافہ کے مطابق بڑھتی رہی اور معیار زندگی میں اضافہ کے سبب شادی کی عمر میں اضافہ سے شرح پیدائش میں کمی ہو گئی۔مزید برآں آبادی بڑھنے سے صارفین میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اشیاء کے پیدا کرنے والوں میں بھی اضافہ ہوا۔ان نئے ''ہاتھوں'' نے مزید خوراک پیدا کرنے کیلئے نئی زمینیں آباد کیں۔کینیڈا اور امریکہ نے اپنے ملکوں کے لوگوں کو قحط اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَباء سے محفوظ رکھنے کے علاوہ لاکھوں بُشل گندم برآمد کر کے مالتھس کے نظریہ کی عملی طور پر تردید فراہم کی ہے۔ ساری دنیا میں اگر جدید زراعت کے طریقوں پر پوری طرح عمل ہو تو یہ سیارہ زمین اپنی موجودہ آبادی سے دُگنی آبادی کو بھی با آسانی خوراک مہیا کر سکتا ہے۔

البتہ اگر مالتھس زندہ ہوتا تو اس کا جواب یہی ہوتا کہ آبادی میں اضافے کا یہ حل محض تباہی کو ملتوی کرتا ہے اس سے مکمل نجات نہیں دلاتا۔ زمین کی زرخیزی کی ایک حد ہے۔ زرعی ٹیکنالوجی کی ہر ترقی جلد یا بدیر آبادی میں اضافہ کے باعث غیر موثر ہو کر رہ جائے گی۔ اسی دوران علم الادویہ میں ترقی، حفظانِ صحت کے اصولوں سے آگہی اور رفاہی سرگرمیوں میں اضافہ کے باعث فطرت کا ترجیحی انتخاب کا عمل غیر موثر ہونے سے غیر موزوں اور بے صلاحیت لوگ بھی نہ صرف زندہ رہیں گے بلکہ وہ اپنے جیسے نکمے افراد کا مزید اضافہ بھی کریں گے۔

رجائیت پسند لوگ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ صنعت، شہری سہولتوں، تعلیم اور معیارِ زندگی میں ترقی کا عمل ان ملکوں میں بھی جو آج اپنی زیادہ شرح پیدائش کے باعث دنیا بھر کے لئے خطرہ سمجھے جاتے ہیں، آبادی میں اضافہ کو روکنے کیلئے اسی طرح موثر ہوگا جس طرح یورپ اور شمالی امریکہ میں ہوا ہے۔ جب تک پیداوار اور شرح پیدائش میں یہ توازن قائم ہو اس وقت تک آبادی میں اضافہ کو روکنے کیلئے ضبط تولید کی تعلیم اور اُس کے ذرائع کی اشاعت انتہائی ضروری اور اَحسن کام ہے۔ مثالی ولدیت جنسی اضطراب کی ضمنی پیداوار کی بجائے صحت مندی کا استحقاق ہے۔

کیا کہیں اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ ضبط تولید توارثی خصوصیات پر بُرے اثرات ڈالتا ہے؟۔ دوسرے الفاظ میں کیا اس پر عمل پیرا ہونے والی قوم کی ذہنی و عقلی سطح پست ہو جاتی ہے؟

بظاہر تو سادہ لوح لوگوں کی نسبت ذہین اور تعلیم یافتہ افراد ضبط تولید کے زیادہ قائل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہوتے ہیں۔ اور ضبطِ تولید ہر دور میں جاہل اور پس ماندہ لوگوں کے اس پر عمل نہ کرنے کے باعث ہی غیر موثر ہوتا ہے۔ اب جسے ہم ذہانت کہتے ہیں اس کا بیشتر حصہ انفرادی تعلیم، مواقع اور تجربہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس امر کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ایسے عقلی اکتسابات وراثتاً منتقل ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ پی۔ ایچ۔ ڈی لوگوں کے بچے بھی باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور وہ بھی دوسرے عام بچوں کی مانند لڑکپن کی غلطیوں، اندھے عقائد اور اِزموں سے متاثر ہونے کے دور سے گزرتے ہیں۔ ہم یہ بھی اندازہ نہیں کر سکتے کہ ایک خوفزدہ اور پس ماندہ غریب کے کروموسومز (Chromosomes) میں کس قدر زیادہ اِمکانی قابلیت و ذہانت پوشیدہ ہے۔ حیاتیاتی نقطہ نگاہ سے اچھی اور صحت مند اولاد، دانشورانہ شجرہ نسب کی بجائے والدین کی جسمانی صحت اور طاقت کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ نطشے (Nietzsche) کا خیال تھا کہ جرمنی میں بہترین خون کسانوں کی رگوں میں دوڑتا ہے۔ اور فلسفی و دانشور حضرات نسل کشی کیلئے کچھ زیادہ موزوں نہیں ہیں۔

شرحِ پیدائش میں کمی نے یونان اور روم کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ جولیس سیزر (Julius Caesar) (59 ق م) ان رومنوں کو انعامات سے نوازتا جن کے بچے زیادہ ہوتے اور اس کے زمانہ میں بانجھ عورتوں کو سواری پر چڑھنے اور زیورات پہننے کی ممانعت تھی۔ تقریباً چالیس برس بعد آگسٹس (Augustus) نے اس مہم کا دوبارہ آغاز کیا لیکن اسے بھی سیزر کی مانند ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ معاشرے کے اعلیٰ طبقات نے ضبطِ تولید پر عمل جاری رکھا جب کہ جرمنی، یونان اور شمال سے آنے والوں اور مشرق کے سامی النسل تارکین وطن کی کثیر تعداد نے آبادی کی اس کمی کو پورا کر کے اٹلی میں آبادی کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ بہت ممکن ہے کہ اسی لسانی یا نسلی تبدیلی کے باعث وہاں کے لوگوں کی حکومتی انتظام کی اہلیت متاثر ہوئی ہو اور ان میں بیرونی حملہ آوروں کے خلاف مزاحمت کرنے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلاحیت اور جذبے میں کمی آگئی ہو۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اینگلوسیکسن (Anglo Saxons) لوگوں میں کم شرح پیدائش کے باعث ان کی معاشی اور سیاسی قوت کمزور پڑ گئی ہے۔اور رومن کیتھولک (Roman Catholic) خاندانوں میں زیادہ شرح پیدائش کے باعث اَمرکا امکان ہے کہ 2000ء تک رومن کیتھولک فرقہ قومی حکومت کے علاوہ میونسپل اور ریاستی حکومتوں میں غالب قوت ہوگا۔شرح پیدائش کا یہی عنصر فرانس، سوئزرلینڈ اور جرمنی میں کیتھولک عقیدہ کی دوبارہ مقبولیت کا سبب بنا ہے۔یوں سمجھئے کہ والٹیر (Voltaire)، کیلون (Calvin)، اور لوتھر (Luther) جیسے پاپائے روم کے مخالفین کے اپنے گھر اور مراکز عنقریب پاپائیت کے حلقہء اثر میں داخل ہوجائیں گے۔

پس جنگوں کی طرح شرح پیدائش بھی مذہبوں کی قسمت کا فیصلہ کرسکتی ہے۔جس طرح طورس (Tours) کے مقام پر 732ء میں مسلمانوں کی شکست کے باعث فرانس اور سپین عیسائیت سے دنیائے اسلام میں شامل ہونے سے بچ گئے۔اسی طرح کیتھولک فرقہ کی برتر تنظیم نظم و ضبط، اخلاقیات و ایمان اور سب سے بڑھ کر اعلیٰ شرح پیدائش، پروٹسٹنٹ تحریکِ اِصلاح مذہب (Protestant Reformation)، اور فرانسیسی خرد افروزی (French Enlightenment) کا خاتمہ کرسکتی ہیں۔

تاریخ بڑی ہی ستم ظریف ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھا باب

نسلیات اور تاریخ

روئے زمین پر کوئی دو ارب رنگ دار نسلوں کے لوگ اور تقریباً نوے کروڑ سفید فام بستے ہیں۔ تاہم جب کومٹے جوزف آرتھر ڈی گوبیناؤ (Comte Joseph-Arther De Gobineau) نے اپنی تصنیف ''انسانی نسلوں کی نابرابری'' (1853-55ء) میں یہ اعلان کیا کہ نوع انسانی، جسمانی ساخت، ذہنی صلاحیتوں اور کردار کی خصوصیات کے خلقی اختلافات رکھنے والی جداگانہ نسلوں پر مشتمل ہے اور ایک نسل ''آریہ'' (The Aryan) قدرتی طور پر باقی سب نسلوں سے برتر ہے تو بہت سے سفید فام لوگ جو اپنی کم تعداد کے باعث قدرے پریشان تھے۔ اس بات پر بہت خوش ہوئے۔

''اس سیارے پر سائنس، آرٹ اور تمدن کے میدان میں انسانی کارناموں کے سلسلے کی ہر عظیم، قابلِ قدر اور مفید دریافت کا ماخذ و منبع ایک مخصوص تولیدی جرثومہ کی افزائش و ترقی میں پوشیدہ ہے۔۔۔اس جرثومہ کا تعلق محض ایک خاندان سے ہے جس کی مختلف شاخوں نے اس دنیا کے سارے متمدن ملکوں پر حکمرانی کی۔۔۔تاریخ شاہد ہے کہ تمام تہذیب و تمدن کا منبع و ماخذ سفید فام نسل ہی ہے۔ اور اس کی مدد کے بغیر کہیں بھی تہذیب و تمدن کا وجود برقرار نہیں رہ سکتا۔ نیز کوئی معاشرہ اس وقت تک ہی عظیم اور شاندار رہتا ہے جب تک وہ اس اعلیٰ خون کی (اس میں کسی قسم کی آمیزش کے خلاف) حفاظت کرتا ہے جس نے اسے تخلیق کیا تھا۔''(۱)

گوبیناؤ کی دلیل کے مطابق۔ ماحولیاتی فوقیتیں تمدنی ترقی و عروج کا باعث نہیں

۱۔ Gobineau, Inequality of Human Races XV 210

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتیں۔ کیونکہ مصر اور مشرقِ قریب میں جس قسم کے حالات و ماحول (مثلاً زمین میں زرخیزی لانے والے دریا) میں تمدن استوار ہوئے بالکل اسی سے ملتے جلتے حالات و ماحول شمالی امریکہ کے انڈینز (Indians) میں کسی بھی قسم کا تمدن پیدا نہیں کر سکے۔ اگر چہ وہ بھی پرشکوہ دریاؤں سے منسلک زرخیز زمینوں پر آباد تھے۔

نہ ادارے ہی تمدن کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ تمدن تو مختلف بلکہ متضاد اداروں کے تحت بھی پروان چڑھا ہے جیسا کہ "جمہوری" ایتھنز میں اور "ملوکیتی" مصر میں۔ کسی تمدن کے عروج، کامیابی، انحطاط اور تباہی کا دارومدار اُس نسل کی خلقی خصوصیات پر ہے جس کا وہ تمدن ہے۔ کسی تمدن کا "بگاڑ" (Degeneration)۔۔۔ جیسا کہ بذات خود اس لفظ سے نشاندہی ہوتی ہے۔۔۔ اصل نسل اور خون سے بھٹک جانا ہے۔ گوبیناؤ (Gobineau) کے بقول "لوگوں میں پستی و ذلت محض خون میں ان مختلف آمیزشوں کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جس سے وہ دوچار ہوتے ہیں" (۱) عام طور پر یہ غالب نسل کی اپنے مغلوبین سے باہمی شادیوں کا شاخسانہ ہوتی ہے۔ اسی باعث ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے سفید فام لوگ جنہوں نے مقامی انڈین (Indians) سے باہم شادیاں نہیں کیں لاطینی امریکہ کے سفید فام لوگوں سے (جنہوں نے مقامی لوگوں سے باہمی شادیاں کیں) برتر ہیں۔ صرف وہ لوگ ہی جو بذاتِ خود ایسے نکما کر دینے والے نسلی آمیزوں کی پیداوار ہیں تمام نسلوں کی برابری و مساوات کے مدعی ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ "سب انسان بھائی بھائی ہیں"۔ جبکہ تمام طاقت ور افراد و اقوام کو اپنی نسلی برتری کا احساس ہے اور وہ اس پر نازاں ہیں اسی لئے وہ جبلی طور پر اپنے نسلی گروہ سے باہر شادی سے گریزاں ہیں۔

1899ء میں ہوسٹن سٹیورٹ چیمبرلین (Houston Stevart Chamberlain)

Gobineau, Inequality of Human Races XV-I

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نامی ایک انگریز جس نے جرمنی میں مستقل طور پر رہائش اختیار کرلی تھی ''انیسویں صدی کی بنیادیں'' (The Foundations of the Nineteenth Century) کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس میں تخلیقی نسل کو آریوں کے محض طیوطانی قبیلے (Teutons) تک محدود کردیا گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ''صحیح معنوں میں تاریخ کا آغاز اسی لمحے سے ہوا جب جرمنوں نے عہد پارینہ کے ورثہ پر اپنے دست قوت سے قابو پالیا'' چیمبر لین کو دانتے (Dante) کے چہرے کی ساخت میں جرمن خدوخال کی جھلک نظر آئی اور اس کا خیال تھا کہ سینٹ پال (St. Paul) کے گلیشائیوں (Galatians) کے نام مکتوب جرمن زبان اور لہجے میں لکھے گئے تھے۔

اگر چہ وہ یہ بات یقینی طور پر نہیں کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ جرمن نسل سے تھے تاہم اسے اس بات کا پکا یقین تھا کہ ''جو یہ سمجھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ یہودی النسل تھے وہ یا تو جاہل ہے یا بے ایمان''۔ جرمن مصنّفین ''بے چارے'' اس قدر بامروّت تھے کہ انہوں نے اپنے مہمان کی بات کی تردید نہ کی۔ ٹرائی ٹسکی (Treitschke) اور برن ہارڈی (Bernhardi) نے بھی یہ بات تسلیم کی کہ جدید اقوام میں جرمن قوم عظیم ترین ہے۔ ویگنر (Wagner) نے موسیقی میں بھی جرمن قوم کی عظمت کا نظریہ پیش کیا۔ الفریڈ روزنبرگ (Alfred Rosenberg) نے جرمن نسل اور جرمنی کی سرزمین کو ''بیسویں صدی کی دیومالا'' بنا کر پیش کیا۔ اسی سے پیدا شدہ جوش وجذبہ کی بنیاد پر ایڈولف ہٹلر (Adolf Hitler) نے جرمنوں کو ایک دنیا کو ذبح کرنے اور یورپ کی فتح کیلئے ابھارا۔

1916ء میں ایک امریکی میڈیسن گرانٹ (Madison Grant) نے اپنی کتاب (The Passing of The Great Race) میں سب تہذیبی کارنامے آریہ نسل کی محض ایک شاخ ''نارڈک'' (Nordics) (سکنڈے نیوین،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیتھئین (Scythians)، بالٹک جرمن انگریز اور اینگلو سیکسن امریکن لوگوں) سے ہی منسوب کر دیئے۔ گرانٹ کے نظریہ کے مطابق شمالی علاقوں کی سردی کے باعث سخت کوش، ان سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والے "گورے وحشیوں" کے کسی قبیلہ نے روس اور بلقان سے ہوتے ہوئے جنوبی علاقوں میں رہنے والی سست اور کاہل اقوام کو تخت و تاراج کر کے مصدقہ تاریخ کا تحریری طور پر آغاز کیا۔ گرانٹ کے خیال میں سیتھئین لوگوں نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ سنسکرت کو بطور ایک "ہندی۔ یورپی" (Indo-European) زبان کے ترقی دی اور مقامی کالے لوگوں کے ساتھ باہمی شادیوں کے باعث اپنے انحطاط کو روکنے کے لئے ذات پات کا نظام قائم کیا۔ سمیرئین (Cimmerians) قبائل کاکسس سے ہوتے ہوئے ایران میں وارد ہوئے جبکہ فرجئین (Phryguans) ایشائے کوچک میں۔ ایکیئن (Achaeans) اور ڈورین (Dorians) قبائل یونان اور کریٹ میں، امبرین (Umbruans) اور آسکن (Oscans) نسل کے لوگ اٹلی میں پہنچ گئے۔ یہ سب نارڈک قبائل مہم باز جنگجو اور تنظیم پسند تھے۔ انہوں نے جنوب کے متلون مزاج نا قابلِ اعتبار اور آرام پسند "بحیرہ روم کے خطے کی اقوام" کو اپنی رعایا یا غلام بنا لیا اور الپائن (Alpine) نسل کے خاموش صلح کل درمیانے لوگوں کے ساتھ باہم شادیاں کر لیں۔ جس کے نتیجہ میں یونان کے علوم وفنون اور روم کی جمہوریت کا ظہور ہوا۔ ڈورین نسل کے لوگوں نے اپنی نسلی برتری قائم رکھتے ہوئے دوسری قوموں کے ساتھ بہت کم شادیاں کیں اور انہوں نے ایک جنگجو نارڈک قوم سپارٹن (The Spartans) کو جنم دیا جس نے بحیرہ روم کے علاقوں پر حکمرانی طویل عرصہ تک قائم رکھی۔ دوسری اقوام سے شادی کے باعث یونان میں نارڈک نسل کمزور اور نرم کوش ہوگئی۔ پیلو پونیزئین جنگ (Peloponnesian war) میں سپارٹا کے ہاتھوں ایتھنز کی شکست کے بعد یونان پر مقدونیہ اور جمہوریہ روم کے خالص تر نارڈک نسل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے لوگوں نے قبضہ کرلیا۔

نارڈک اقوام کی ایک دوسری یلغار۔۔۔جس میں سکنڈے نیویا اور شمالی جرمنی سے تعلق رکھنے والے قبائل شامل تھے۔۔۔گاتھ (Goths)اور وینڈل (Vandals)لوگوں نے روما کی سلطنت فتح کر لی اینگل اور سیکسن قبائل نے انگلستان فتح کر کے اسے ایک نیا نام دے دیا۔فرنیک قوم نے گال فتح کر کے اسے اپنا نام دے کر فرانس بنا دیا۔ بعد میں نارمن نارڈک قوم نے فرانس، انگلستان اور سسلی کو فتح کرلیا۔ نارڈک لومبارڈ(The Nordic Lombards)قبائل اٹلی میں وارد ہوئے مقامی لوگوں سے باہم شادیاں کیں، میلان (Milan)اور فلورنس(Florence)میں نشاۃ ثانیہ کی تحریک کو عروج بخشا۔نارڈک ویرنجیئن (Nordic Varangians)لوگوں نے روس کو فتح کیا اور اس پر 1917ء تک حکمران رہے۔نارڈک انگریزوں نے امریکہ اور آسٹریلیا میں آباد کاری کی، ہندوستان فتح کیا اور ہر بڑی ایشیائی بندرگاہ پر اپنا تسلط جمائے رکھا۔

گرانٹ نے (اظہار افسوس کرتے ہوئے) لکھا ہمارے زمانہ میں یہ نارڈک نسل اپنی عظمت اور برتری سے محروم ہو رہی ہے۔1789ء میں نارڈک لوگوں کے فرانس پر تسلّط کا خاتمہ انقلابِ فرانس کے ذریعے ہوگیا۔کامل ڈیسمولنز (Camille Desmoulins)نے پیرس کے کیفے میں بیٹھے ہوئے اپنے سامعین کو بتایا تھا کہ یہ انقلاب دراصل مقامی الپائن (Alpines)لوگوں کی طیوطانی فرینکس(Teutonic Franks)کے خلاف بغاوت تھی جس نے انہیں شارلمین (Charlemagne)اور کلوویس(Clovis)کے عہد میں اپنا زیرنگیں کرلیا تھا۔صلیبی جنگوں، جنگ تیس سالہ، نپولین کی جنگوں اور پہلی عالمی جنگ نے نارڈک نسل کی تباہی کر دی اور ان کی تعداد اس قدر کم رہ گئی کہ وہ امریکہ اور یورپ میں الپائن اور بحیرہ روم کی نسلوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کا مقابلہ نہ کرسکے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرانٹ نے یہ پیشن گوئی کی کہ 2000ء تک نارڈک اقتدار سے بالکل محروم ہوجائیں گے اور ان کے زوال کے ساتھ ہی مغربی تہذیب اپنے اندر اور باہر سے ابلتی بربریت میں گم ہوجائے گی۔ البتہ گرانٹ نے اس بات کو تسلیم کرکے بڑی دانائی کا ثبوت دیا کہ ''بحیرہ روم کی نسل'' جسمانی طاقت و مضبوطی میں نارڈک اور الپائن نسلوں سے کمتر ہونے کے باوجود ذہنی اور فن کارانہ کاوشوں میں ان سے بہتر ثابت ہوئی۔ یونان اور روم کی اعلیٰ صناعی کا سہرا انہی بحیرہ روم کے لوگوں کے سر ہے۔ تاہم گرانٹ کے خیال میں ممکن ہے کہ یہ نارڈک نسل سے اُن کے اختلاط کا نتیجہ ہو۔

نسلی بنیادوں پر استوار اس نظریہ تاریخ کی کچھ خامیاں بہت واضح ہیں۔ کوئی بھی چینی عالم ہمیں یہ یاد دِلا سکتا ہے کہ اس کی قوم نے تاریخ کی سب سے پائیدار تہذیب تخلیق کی ہے۔۔۔ جس نے 2000 قبل مسیح سے لے کر آج کے دور تک بے شمار مدبر، موجد، مصور، شاعر، سائنس دان، فلسفی و مذہبی رہنما پیدا کیے۔ اسی طرح ایک میکسیکن عالمِ ہماری توجہ کولمبس سے پہلے کے امریکہ میں مایان (Mayan)، آزٹیک (Aztec) اور انکان (Incan) تہذیبوں کی عظیم الشان تعمیرات کی طرف مبذول کرا دے گا۔ بعینہ ایک ہندو عالم حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے تقریباً سولہ سو سال پیشتر آریاؤں کی شمالی ہند میں آمد کو تسلیم کرنے کے ساتھ یہ بھی کہے گا کہ جنوبی ہندوستان کے سیاہ فام دراوڑوں نے بذات خود بھی عظیم الشان شاعر اور ماہرین تعمیرات پیدا کیے تھے۔ مدراس مادھورا (Madura)، ترچنوپلی (Trichinopoly) کے مندر روئے زمین پر سب سے زیادہ متاثر کن تعمیرات میں سے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن انگرواٹ (Angkort Wat) میں کھمر قبائل (Khmers) کا بلند و بالا مندر ہے۔

پس تاریخ رنگ و نسل کے امتیازات میں یقین نہیں رکھتی اور تمدن ہر قوم و نسل میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نشوونما پاسکتا ہے بشرطیکہ اس کیلئے موزوں حالات میسر ہوں۔

اگر تاریخ کے نسلی نظریہ کو محض سفید فام اقوام تک ہی محدود رکھا جائے تب بھی مسائل جوں کے توں رہتے ہیں۔ سامی النسل لوگ بابل، اسیریا، شام، فلسطین، فونیشیا(Phoenicia) کا رتھیج اور اسلامی تہذیبوں کے حوالے سے اپنی تاریخی عظمت کا تذکرہ کرتے ہیں۔یورپ نے عیسائیت اور بائبل اور مسلمانوں نے بہت سی مذہبی رسومات یہودیوں سے لیں۔اسی طرح مسلمان ان بے شمار حکمرانوں، آرٹسٹوں، شاعروں، سائنس دانوں اور فلسفیوں کا حوالہ دے سکتے ہیں جنہوں نے قرطبہ سے بغداد تک آج کی سفید فام دنیا کے ایک بڑے حصے کو فتح کرنے کے ساتھ ساتھ اُسے سنوارا اور متمدن بنایا۔جس دور میں (565ء سے 1095ء) سارا یورپ عہد تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔اس طرح بظاہر مصر، یونان اور روم کی قدیم تہذیبیں جغرافیائی مواقع اور معاشی وسیاسی ترقی کی پیداوار تھیں نہ کہ نسلی ترکیب کی۔اور ان کے تمدن کا بیشتر حصہ مشرق سے تعلق رکھتا تھا۔یونانیوں نے اپنے فنونِ لطیفہ اور تحریر کا فن ایشیائے کوچک، کریٹ، فونیشیا اور مصر سے حاصل کیا۔دو ہزار سال قبل مسیح کے زمانے میں یونانی تہذیب مائی سینیسن (Mycanacan) اصل کی تھی۔جو کہ جُزوی طور پر کریٹ سے درآمد شدہ تھی۔ کریٹ والوں نے اسے ایشیائے کوچک کے رہنے والوں سے سیکھا تھا۔جب 1100 قبل مسیح میں نارڈک ڈورین قبائل بلقان سے ہوتے ہوئے یہاں وارِد ہوئے تو انہوں نے اس اوّلین یونانی تہذیب کا بیشتر حصہ تباہ کر دیا۔اور تقریباً کئی صدیوں کے وقفے کے بعد ہی لائی کرگس (Lycurgus) کے سپارٹا، تھیلز (Thales) کے ملیٹس (Miletus)، ہر قلیطس (Hercaliets) کے افیسس (Ephesus)، سیفو (Sappho) کے لیزبس (Lesbos) اور سولون (Solon) کے ایتھنز میں تاریخی یونانی تمدن کا ظہور ممکن ہوسکا۔چھٹی صدی قبل مسیح کے بعد یونانیوں نے اپنے تہذیب وتمدن کو بحیرہ روم کے ساتھ ساتھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈرازو(Durazzo)، ٹرانٹو(Taranto)، کروٹونا، ریڈجا کالابریا(Reggio Calabria)، سائرا کیوز(Syra Cuse)، نیپلز(Naples)، نیس(Nice)، مناکو(Monaco)، مارسیلز(Marseilles)، ملاگا(Malaga) تک پھیلا دیا۔

جنوبی اٹلی کے یونانی آبادی والے شہروں اور ممکنہ طور پر اٹروریا (Etruria) کی ایشیائی تہذیب سے یونان کی قدیم تہذیب کا سوتا پھوٹا۔ روم کی تہذیب سے مغربی یورپ کی تہذیب ابھری اور مغربی یورپ کی تہذیب سے شمالی اور جنوبی امریکہ کا تمدن وجود میں آیا۔ تیسری صدی عیسوی میں اور اسکے بعد کے زمانوں میں کئی کیلٹک (Celtic)، طیوطانی(Tentonic)اور ایشیائی قبیلوں نے اٹلی کو تاراج کیا اور یہاں کی کلاسیکی تہذیب کو تباہ کردیا۔

تاریخ کا ایک خلاصہ یوں بھی ہے۔

جنوب کے لوگ تہذیبیں پیدا کرتے ہیں، شمال کے رہنے والے انہیں فتح کر لیتے ہیں ، برباد کردیتے ہیں اور پھر انہی سے عاریتاً تہذیبیں لیکر انہیں آگے پھیلاتے ہیں۔

علم حیاتیات کو استعمال کرکے حیاتیاتی خصوصیات کو تمدن سے منسلک کرنے کی تمام کوششیں اس مسئلہ کو حل کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ اگر افریقہ کے نیگرو کوئی بڑی تہذیب پیدا نہیں کر سکتے تو اس کی ممکنہ وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ آب و ہوا اور جغرافیائی حالات نے انہیں مایوس و ناکام کردیا۔ کیا کوئی بھی سفید فام نسل ان حالات میں کسی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکتی تھی؟ قابل غور بات یہ ہے کہ پچھلے سو سالوں کے دوران بے شمار امریکن نیگروؤں نے ہزاروں سماجی رکاوٹوں کے باوجود فنون لطیفہ، اعلیٰ علوم اور مختلف پیشوں میں ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔

تاریخ میں نسل و رنگ کا کردار تخلیقی کی بجائے قدرے تالیفی رہا ہے۔ کسی علاقے میں مختلف اطراف سے مختلف اوقات میں وارد ہونے والے مختلف النسل لوگ، اپنی نسلی خصوصیات،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایات اور طور طریقوں کا باہم اور وہاں کی مقامی آبادی کے نسلی و روایتی ورثے سے اختلاط کرتے ہیں۔ یہ اختلاط بالکل جنسی اختلاط کے عمل سے بہت ملتا جلتا ہے جس میں جینز (Genes) کے دو مختلف ذخائر آپس میں ملتے ہیں۔ ایسے نسلی آمیزے سے صدیوں کے عمل کے بعد ایک نئی نسل پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کیلٹس (Celts)، رومن، اینگلز، سیکسن، جوٹ (Jutes)، ڈین (Danes)، اور نارمن قبائل نے باہم گھل مل کر انگریز قوم کو جنم دیا۔ جب یہ نئی قوم پیدا ہوتی ہے تو اس کے تہذیبی اظہار منفرد ہوتے ہیں۔ اور ایک نیا تمدّن تشکیل پاتا ہے۔۔۔ نئے خدوخال، کردار، زبان، اَدب، اِخلاقیات اور فنونِ لطیفہ۔

نسل سے تمدن نہیں بنتا بلکہ تمدن سے اقوام بنتی ہیں۔ جغرافیائی، معاشی اور سیاسی حالات ایک تہذیب کو جنم دیتے ہیں۔ اور یہ تہذیب مہذب قوم پیدا کرتی ہے۔ ایک انگریز اس قدر انگریزی تمدن کی تعمیر میں حصہ نہیں لیتا جتنا کہ یہ تمدّن اسے بناتا اور سنوارتا ہے۔ اگر وہ اس تمدن کو اپنے ساتھ کسی اور دوسری جگہ لے کر جائے اور (بطور مثال) ٹمبکٹو میں بیٹھ کر بھی ڈنر کا مخصوص انگریزی لباس زیب تن کر لے اسکا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ وہاں اپنے تمدن کی تخلیق کر رہا ہے۔ بلکہ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہاں بھی اس کی روح پر انگریزی تمدّن کا غلبہ و حکمرانی موجود رہتی ہے۔ تاہم ماحول کے اثر کے باعث آہستہ آہستہ یہ غلبہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اگر شمالی خطوں کے باشندے کئی نسلوں تک اِستوائی خطوں میں رہائش پذیر رہیں تو ان میں ان گرم علاقوں کے لوگوں سے ملتی جلتی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جنوب کے رہنے والے سست اور آرام طلب لوگ کئی نسلوں تک شمال کے علاقوں (یورپ و امریکہ) میں بستے رہنے کے باعث وہاں کی زندگی کے تیز دھارے سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

اگر اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مریکی تمدن ابھی تک نسلی آمیزش کے مرحلے میں ہے۔ 1700ء اور 1848ء کے درمیان فلوریڈا کے شمال میں بسنے والے سفید فام امریکی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ تر اینگلو سکیسن نسل سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا ادب بھی انگریزی ادب سے متاثر تھا۔ 1848ء کے بعد امریکہ کے دروازے سب سفید فام اقوام کے لوگوں کے لئے کھول دیئے گئے۔ اور ایک نیا نسلی امتزاج شروع ہوا جس کی تکمیل آنے والی چند صدیوں میں بھی مشکل سے ہی ہوگی۔ جب اس امتزاج کی تکمیل پر ایک نئی نسل جو صحیح معنوں میں امریکی نسل ہوگی وجود میں آئے گی تو امریکہ کی اپنی منفرد زبان ہوگی جو انگریزی سے اسی قدر مختلف ہوگی جیسے ہسپانی زبان اطالوی سے ہے۔ اس کا اپنا قومی ادب، اپنے مخصوص فنون لطیفہ ہونگے۔ ان سب باتوں کا کسی نہ کسی شکل میں ابھی سے اظہار ہو رہا ہے۔

ہوسکتا ہے نسلی منافرتوں کی کچھ وجوہات رنگ و نسل کے اختلافات میں بھی پوشیدہ ہوں۔ لیکن زیادہ تر نسلی منافرت کا سبب اکتسابی تہذیبی اختلافات ---، زبان، لباس، عادات، اخلاقیات اور مذہب --- ہی ہیں ان منافرتوں کا تعلیم کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے علاوہ کوئی اور علاج نہیں۔

تاریخ کا علم ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ تمدن ایک امدادِ باہمی کی پیداوار ہے۔ اور تقریباً سب قوموں نے تمدن کی تعمیر میں حصہ لیا ہے۔ یہ ہمارا مشترکہ ورثہ اور اجتماعی قرضہ ہے۔

یہ دنیا پوری طرح متمدن اسی وقت سمجھی جائے گی جب انسانی معاشرہ سارے انسانوں کو بلا امتیازِ مرتبہ، مذہب و صنف و تمدن کی تعمیر میں مصروف تخلیقی و امدادی گروہوں کا نمائندہ سمجھ کر ان سے مساوی سلوک کریگا!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرداری عناصر کا جدول

مثبت	منفی	مثبت	منفی	مثبت	منفی
عمل و بیداری	سونا	کھیل کود	آرام	ہمت و حوصلہ مندی	تھکاوٹ و پژمردگی
		کام کرنا	سستی و کاہلی	توانائی	جمود
		تجسس	بے نیازی	شوق	بیزاری
		خوش اسلوبی	اکتاہٹ	حیرانی	شک
		سوچ	خواب دیکھنا	جذب وانہماک	خالی الذہنی
		اختراع وجدت	نقل کرنا	مستقل مزاجی	تسلیم ورضا
		فنون لطیفہ	بدنظمی	جمالیاتی ذوق	
		توازن وتناسب	پسپائی		ابتری
لڑائی	فرار	قرب ورسائی	تعاون کرنا	حوصلہ	بے چینی
		مقابلہ کرنا	بزدلی	رقابت	دوستی وملن ساری
		جھگڑالوپن	دستبرداری	غصہ	خوف
		حکمرانی	اطاعت	غرور	انکساری
حصول	تیاگ	کھانا	کھانے سے پرہیز کرنا	بھوک	کراہت وتنفر
		ذخیرہ اندوزی	خرچ کرنا	لالچ	فضول خرچی
		جائیداد اور دولت کی خواہش	تنہائی	تعارف حاصل کرنے کی خواہش	غیر محفوظ ہونے کا احساس
مجلس کی طلب	تخلیہ کی خواہش	بات چیت کرنا	تنہائی	کھل مل جانا	رازداری
		منظوری حاصل کرنے کی خواہش	مسترد کیے جانے کا خوف	خودنمائی	شرمیلا پن
		فیاضی	کنجوسی	مہربانی	مخاصمت
جنسی اختلاط کی طلب	جنس سے انکار	جنسی عمل	جنسی شرم	جنسی تصورات	جنسی اعصاب زدگی
		معاشقہ	بیگانہ بغاوت	جنسی محبت	عصمت وعفت
الدین کی شفقت بنا	بچوں کی طرح دوسروں پر انحصار	گھر بنانا		والدین کی محبت کا جذبہ	بیگانہ آزادی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں باب

کرداراور تاریخ

معاشرہ تخیلات کی بجائے انسانی فطرت کے مطابق استوار ہوتا ہے۔اور قومیں بھی انسانی فطرت وساخت کے مطابق ہی تشکیل پاتی ہیں۔لیکن انسانی ساخت ہے کیا؟

ہم انسانی فطرت کی تعریف بنی نوع انسان کے بنیادی رجحانات اور احساسات کی حیثیت سے کرسکتے ہیں۔سب سے زیادہ اہم اور بنیادی رجحانات کو ہم جبلت کہتے ہیں۔اگرچہ ان جبلتوں کے خِلقی اوصاف ہونے کے بارے میں بہت سے شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں۔

انسانی فطرت کو سامنے دیئے ہوئے "کرداری عناصر کے جدول" کی مدد سے بیان کیا جاسکتا ہے۔اس تجربہ کے مطابق "قدرت" (یہاں اس سے مراد توارث ہے)، جو انسانوں میں عام طور پر چھ "مثبت" اور چھ "منفی" جبلتیں ودیعت کرتی ہے جن کا مقصد اُس فرد، خاندان، گروہ اور اس نوع کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔مثبت شخصیات میں مثبت رجحانات غالب ہوتے ہیں۔لیکن اکثر افراد میں جبلتوں کے دونوں "مثبت" اور "منفی" سیٹ موجود ہوتے ہیں تاکہ وہ حالات اور مزاج کے مطابق زندگی کے بنیادی چیلنجوں اور مواقع کا سامنا یا پہلو تہی کرسکیں۔ہر جبلت سے عادات پیدا ہوتی ہیں اور اسی سے احساسات منسلک ہوتے ہیں۔انسانی فطرت ان سب کا مجموعہ ہے۔

کیا تاریخ کے دھارے کے ساتھ انسانی فطرت میں کسی حد تک تبدیلی آئی ہے؟

نظری طور پر کچھ نہ کچھ تبدیلی کا امکان تو ہے۔کیونکہ جسمانی اور نفسیاتی اختلافات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فطری انتخاب کے عمل میں (جو ارتقاء کے لئے ضروری ہے) آسانی پیدا کرتے ہیں۔تاہم مطالعہء تاریخ بنی نوع انسان کے عملی رویہ میں کسی قسم کی تبدیلی کی نشان دہی نہیں کرتا ہے۔افلاطون دور کے یونانیوں کا رویہ بعینہ آج کے فلسفیوں کی مانند ہے اور زمانہ قدیم کے رومیوں اور آج کے انگریزوں کے طرزِ عمل میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

آلات و ذرائع بدلتے رہتے ہیں لیکن محرکات و نتائج وہی رہتے ہیں مثلاً کام کرنا یا آرام، حصول یا تیاگ، لڑنا یا پسپائی، تلاش محفل یا تنہائی کی خواہش، وصال یا استرداد، شفقت یا سخت گیری۔

انسانی فطرت میں طبقات کی بنا پر کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔غریبوں میں بھی تقریباً ویسی ہی امنگیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں جیسی امیروں میں۔البتہ غریبوں میں ان آرزوؤں کے پروان چڑھنے کے مواقع اور ذرائع کم ہوتے ہیں۔تاریخ میں اس سے زیادہ واضح شہادت کسی اور امر کی نہیں کہ کامیاب ہونے والے باغیوں نے اپنے معزول کردہ حکمرانوں کے وہی طور طریقے اپنائے جن کی وہ اکثر مذمت کیا کرتے تھے۔

انسانی ارتقاء حیاتیاتی کی نسبت سماجی زیادہ ہوا ہے یعنی نسل انسانی میں توارثی تبدیلیوں کی بجائے معاشی، سیاسی، ذہنی و اخلاقی میدانوں میں تعلیم، رسوم و رواج یا ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسی تبدیلیاں آئی ہیں جو ایک فرد یا گروہ سے دوسرے افراد یا گروہوں میں منتقل ہوسکتی ہیں۔کسی انسانی گروہ کے اندر موجود رسوم و رواج اسکی نسلی اور توارثی ضروریات کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ افراد کی جبلتوں سے بھی ہم آہنگ ہوتے ہیں۔یوں سمجھیے کہ یہ رسم و رواج مخصوص اور بکثرت دہرائی جانے والی صورت حال میں فوری منطبق ہوجاتے ہیں تاہم جب نئی صورت حال پیدا ہوتی ہے وہ انوکھے اور غیر لگے بندھے طرزِ عمل کا تقاضا کرتی ہے۔اس طرح ہم اعلیٰ تر جانداروں (انسانوں) میں ترقی کی لئے تجربے اور نئی طرح اندازی (Innovation) کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلاحیت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تغیر و تبدل کا سماجی لازمہ سمجھا جاتا ہے۔

سماجی ارتقاء دراصل روایت اور جدت کا باہمی تعامل ہے۔

یہیں پر پیش قدمی کی ہمت رکھنے والا فرد۔۔۔ جسے عظیم ''شخصیت'' ''ہیرو'' یا ''نابغہء روزگار'' کہا جاسکتا ہے۔۔۔ ،تاریخ ساز قوت کی حیثیت سے سامنے آتا ہے ۔وہ کارلائل (Carlyle) کے بیان کردہ دیوتا کی مانند کہیں آسمان سے نازل نہیں ہوتا، بلکہ اپنے عہد اور سرزمین کی پیداوار ہوتا ہے۔وہ حالات وواقعات کی پیداوار ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلی کا گماشتہ اور نقیب بھی ہوتا ہے۔جب تک نئے طرز عمل کی متقاضی صورتحال پیدا نہیں ہوتی اُسکے نئے خیالات ونظریات بے محل اور نا قابل عمل دکھائی دیتے ہیں۔لیکن جب وہ میدان عمل میں اترتا ہے تو اسکی حیثیت کے تقاضوں اور درپیش بحران کی شدت کے پیشِ نظر اس کی ان صلاحیتوں اور قوتوں میں بے حد تیزی سے اضافہ ہوتا ہے جو عام حالات میں خفتہ و پوشیدہ رہتی ہیں۔لیکن ''ہیرو'' صرف حالات کے نتیجہ کی پیداوار نہیں ہوتا۔واقعات نہ صرف اس پر بیتتے ہیں بلکہ اس کے اردگرد بھی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔اس طرح اسکے خیالات اور فیصلے موثر طور پر تاریخ کے دھارے کا حصہ بن جاتے ہیں کئی مواقع پر چرچل کی مانند اسکی خطابت ہزار رجمنٹوں پر بھاری رہتی ہے یا نپولین کی طرح جنگی چالوں اور حکمتِ عملی میں اس کی دور بینی کے باعث مہمات سر ہوجاتی ہیں جنگیں جیت لی جاتی ہیں اور سلطنتیں قائم ہوتی ہیں۔اگر وہ پیغمبر محمدؐ کی طرح انسانوں میں نئی روح پھونک سکے تو اس کے الفاظ ایک غریب اور پس ماندہ قوم کو نا قابل تصور امنگیں اور حیران کن قوت عطا کرسکتے ہیں۔

ایک پاسچر (Pasteur) ایک مورس (Morse) ایک ایڈیسن (Edison) ایک فورڈ (Ford) ایک رائٹ (Wright) ایک مارکس (Marx) ایک لینن (Lenin) ایک ماوزے تنگ (Mao-Tse-Tung)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے شمار علتوں (Causes) کے ثمر ہیں اور لامتناہی اثرات (Effects) کی وجوہ۔

ہمارے کرداری عناصر کے جدول میں نقل (Imitation) اور اختراع (Innovation) ایک دوسرے کی مخالف خصوصیات ہیں لیکن عملاً یہ کئی طریقوں سے باہم تعاون بھی کرتی ہیں جس طرح اطاعت گزار فطرت کے لوگ حاکمانہ مزاج کے افراد کے ساتھ مل کر معاشرے میں استحکام اور روانی پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح نقل کرنے والے لوگ جو کہ اکثریت میں ہوتے ہیں۔ اختراع کرنے والی اقلیت کی پیروی کرتے ہیں اور یہ اقلیت بذات خود ماحول کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی خاطر کسی ایک طباع (Originative) فرد کی تقلید کرتی ہے۔ زیادہ تر تاریخ تو اقلیتوں کی کشمکش سے عبارت ہے۔ اکثریت تو محض اس کشمکش میں کامیاب ہونے والوں پر داد و تحسین کے ڈونگرے برساتی ہے اور سماجی تجربوں کے لئے انسانی شکل میں خام مواد مہیا کرتی ہے۔

ذہانت تاریخ میں ایک بے حد اہم قوت ہے لیکن یہ قوت مہلک اور تباہ کن بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ نئے پیش کردہ خیالات میں سے ننانوے فیصد سے بھی زیادہ ان روایتی طریق ہائے کار کی نسبت کم تر درجے کے ہوتے ہیں جن کی جگہ لینے کے لئے یہ نئی تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ کوئی فرد خواہ وہ کتنا ہی ذہین اور باخبر کیوں نہ ہو اپنی زندگی کے مختصر دورانیئے میں اس قدر زیادہ سوجھ بوجھ حاصل نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے معاشرے میں جاری رسوم و رواج اور اداروں کو باآسانی پرکھ کر انہیں مسترد کر سکے۔ کیونکہ یہ روایات اور ادارے تو تاریخ کی تجربہ گاہ میں نسل درنسل حاصل شدہ صدیوں کے عملی تجربہ سے پیدا ہونے والی دانائی کا نتیجہ اور ثمر ہیں۔ مردی قوت اور جنسی جذبات سے لبریز ایک نوجوان اس امر پر حیران و پریشان ہوتا نظر آتا ہے کہ اسے اپنی جنسی خواہشات پورا کرنے کی مکمل آزادی کیوں میسر نہیں۔ اگر اس پر قانون و اخلاق اور رسوم و رواج کی پابندیاں نہ ہوں تو وہ اپنی زندگی مکمل طور پر تباہ کرنے کے بعد ہی یہ جان سکے گا کہ جنس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا جذبہ تو آگ کے دریا کی مانند ہے جس کو ہزار پابندیوں میں رکھ کر ٹھنڈا کیا جاتا ہے تا کہ وہ فرد اور گروہ دونوں کو افراتفری و انتشار میں مبتلا کر کے ختم نہ کر دے۔

پس وہ قدامت پرست جو کسی تبدیلی کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے اتنا ہی قابل قدر ہوتا ہے جتنا کہ اس تبدیلی کا نقیب و علمبردار انقلابی۔۔۔ بلکہ شائد قدامت پسند کی اہمیت نسبتاً زیادہ ہی ہوتی ہے بالکل اس طرح جیسے جڑیں شاخوں سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ نئے خیالات کو سُنا جائے کیونکہ ان میں سے چند قابل عمل بھی ہوں گے لیکن یہ بھی بہتر ہے کہ نئے خیالات و تجاویز، اعتراض و مخالفت اور تحقیر و طنز کی بھٹی سے گزریں۔ انسانی معاشرہ میں ان کا عمل دخل ہونے سے پیشتر سب نئی اختراعات کا ان آزمائشوں پر پورا اترنا ضروری ہے۔

یہ اچھا ہے کہ بوڑھے نوجوانوں کی مزاحمت کرتے رہیں اور نوجوان بوڑھوں سے سینگ پھنسائے رکھیں اور اس کشاکش میں سے۔۔۔ (جیسا کہ مختلف طبقات اور اصناف کے درمیان کشمکش سے)۔۔۔ پورے معاشرے میں ایک تخلیقی کھچاؤ کی قوت، ایک تیز تر ترقی، ایک پوشیدہ اور بنیادی اتحاد اور حرکت جنم لیتی ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹا باب

اخلاقیات اور تاریخ

اخلاقیات وہ اصول وضوابط ہیں جن کے ذریعے کوئی معاشرہ اپنے اراکین اور تنظیموں کو اپنے نظم، تحفظ اور نشو ونما کے متقاضی طرز عمل کی تاکید کرتا ہے (جب کہ قوانین وہ اصول و ضوابط ہیں جن کی پابندی معاشرہ میں لازمی اور جبراً کی جاتی ہے) تقریباً سولہ سو سال سے مسیحی دنیا میں موجود یہودی اقلیت نے ریاست کے ڈھانچے اور اس کے قوانین کی مدد کے بغیر ہی ایک سخت اور تفصیلی ضابطہ اخلاق کی بدولت اپنا تسلسل اور اندرونی امن برقرار رکھا ہے۔

تاریخ کے بارے میں کم علمی کا شکار افراد ضابطہ ہائے اخلاق کو تغیر پذیر گردانتے ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ تاریخی اعتبار سے ان کی زیادہ اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ ضابطہ اخلاق مختلف اوقات اور مقامات پر مختلف ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایک دوسرے سے متضاد بھی۔ البتہ تاریخ کا تفصیلی علم رکھنے والے ضابطہ ہائے اخلاق کی آفاقیت کے قائل ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ضرورت مسلمہ ہے۔

مختلف ادوار میں ضابطہ ہائے اخلاق کے مختلف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ خود کو تاریخی اور ماحولیاتی صورتحال سے ہم آہنگ کر لیتے ہیں۔ اگر ہم معاشی تاریخ کو تین مراحل ۔۔۔شکار، زراعت اور صنعت ۔۔۔میں تقسیم کریں تو ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک مرحلہ کا ضابطہ اخلاق دوسرے مرحلے میں کارآمد نہ ہونے کے باعث تبدیل ہوجاتا رہا ہے۔ شکار کے عہد میں انسان کو شکار کا تعاقب کرنے اور لڑنے اور مارنے کے لئے تیار رہنا پڑتا تھا۔

جب وہ اپنے شکار پر قابو پالیتا تو اس غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر کہ جانے دوبارہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسے کب کھانے کو ملے وہ خوب ٹھونس ٹھونس کر کھاتا تھا۔ غیر محفوظ ہونے کا احساس ہی لالچ کو جنم دیتا ہے جیسا کہ ظلم و تشدد اسی دور کی یادگار ہے جب زندہ رہنے کا معیار دوسرے کو مار ڈالنے کی صلاحیت تھی (جواب خون میں سرایت کر گئی ہے)۔ غالباً مردوں میں شرح اموات عورتوں کی نسبت زیادہ تھی کیونکہ شکار میں انھیں اکثر اپنی جان خطرے میں ڈالنا پڑتی تھی اسی لئے ایک مرد کے پاس کئی کئی عورتیں ہوا کرتی تھیں اور ہر مرد سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ عورت کو جلد از جلد اور کثرت سے بچے جننے کے قابل بنا دے۔ غرض یہ کہ جھگڑالو پن، بے رحمی، لالچ اور جنسی اختلاط کے لئے ہمہ وقت آمادگی، عہدِ شکار میں زندہ رہنے کی جدوجہد میں مددگار خصوصیات یا اس دور کی اچھائیاں سمجھی جاتی تھیں۔

غالباً ہر برائی کبھی اچھائی سمجھی جاتی تھی۔۔۔ یعنی ایسی خصوصیت جو فرد، خاندان یا گروہ کی بقا کے لئے ضروری ہو۔۔۔ انسانی گناہ انسان کے روبہ زوال ہونے کی علامتوں کی بجائے اس کے عروج و ترقی کی نشانیاں کہے جا سکتے ہیں۔

تاریخ ہمیں یہ صحیح طور پر نہیں بتاتی کہ انسان شکار کے عہد سے زرعی دور میں کب داخل ہوا شائد اس مرحلہ کا آغاز پتھر کے دور کے آخری زمانہ میں اس دریافت کے باعث ہوا ہو کہ غلے کو بونے سے جنگلی گندم کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا تھا۔۔۔ ہمارے پاس یہ فرض کرنے کی معقول وجوہ موجود ہیں کہ یہ نیا عہد نئی خوبیوں اور اچھائیوں کا متقاضی تھا اور اس دور میں کچھ پرانی اچھائیاں برائیاں قرار پائیں۔ بہادری کی بجائے اب محنتی پن زیادہ اہم ہو گیا۔ تشدد کی بجائے باقاعدگی اور چستی زیادہ منافع بخش ہو گئی۔ جنگ کی نسبت امن کا پلہ بھاری ہو گیا۔

اب بچے معاشی اثاثہ بن گئے یوں ضبطِ تولید غیر اخلاقی قرار پایا۔ کھیت میں پورا خاندان باپ کی زیرِ نگرانی اور موسموں کے نظم و ضبط کے تحت ایک پیداواری اکائی کی مانند تھا اور یوں پدرانہ حاکمیت ایک مضبوط معاشی بنیاد پر اُستوار تھی۔ ہر عام لڑکا جلدی ہی ذہنی طور پر پختہ اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا۔ پندرہ برس کی عمر میں بھی وہ طبعی زندگی کے تمام تفویض کردہ کاموں کو اتنی ہی خوبی سے سمجھ اور انجام دے سکتا تھا جتنا کہ چالیس برس کی عمر میں۔ زمین، ہل اور بیوی کی شکل میں ایک رضا کارانہ مددگار۔ بس یہی کچھ اسے درکار تھا۔ اسی لئے وہ جلدی شادی کر لیتا۔ تقریباً عین اسی وقت جب اسکے اندر اس کی خواہش پیدا ہوتی۔ یوں اسے مستقل آبادیوں اور گھروں والے نئے زرعی نظام کی شادی سے پہلے کے جنسی تعلقات پر عائد کردہ پابندیوں کے باعث زیادہ عرصہ تک پریشانی کا شکار نہیں ہونا پڑتا۔ زرعی عہد میں نوجوان عورتوں کے لئے باعصمت ہونا ناگزیر تھا۔ کیونکہ عصمت سے محرومی کے باعث وہ لاوارث ماں بن سکتی تھیں۔ مخالف اصناف کی عددی برابری مرد کی ایک عورت سے شادی کی متقاضی تھی۔ پندرہ سو سالوں تک زرعی دور کا پارسائی، کم عمری کی شادی، بغیر طلاق یک زوجگی، کثیر العیالی پر مبنی ضابطہ اخلاق مسیحی یورپ اور اسکی سفید فام نو آبادیوں میں جاری رہا۔ یہ ایک سخت گیر ضابطہء اخلاق تھا جس نے تاریخ کے چند مضبوط ترین کردار جنم دیئے۔

صنعتی انقلاب نے شروع میں آہستہ آہستہ اور پھر تیزی سے اور وسیع پیمانے پر یورپی اور امریکی زندگی کے اخلاقی ڈھانچے اور معاشی صورت کو بدل ڈالا۔ مردوں عورتوں اور بچوں نے انفرادی طور پر ان فیکٹریوں میں کام کرنے کے لئے جہاں انسانوں کی بجائے مشینوں کا بسیرا تھا اور انفرادی معاوضہ کے لئے گھر اور خاندان، حاکیت (Authority) اور یکجائی ترک کر دی۔ وقت گزرنے کے ساتھ مشینوں میں توسیع ہوتی گئی اور وہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہو گئیں۔

اب معاشی بلوغت (ایک خاندان کا بوجھ اٹھانے کی اہلیت) دیر سے آنے لگی۔ اب بچے معاشی اثاثہ نہیں رہے تھے۔ شادیاں تاخیر سے ہونے لگیں اور شادی سے پہلے کی پارسائی کو قائم رکھنا مشکل تر ہوتا چلا گیا۔ شہروں میں شادی کی حوصلہ شکنی کے سب اسباب موجود تھے۔۔۔ لیکن وہاں جنس کے لئے ہر محرک اور سہولت دستیاب تھی۔ عورتوں کو "آزادی" مل گئی تھی۔۔۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی معاشی آزادی۔۔۔۔مانع حمل ذرائع نے انہیں جنسی اختلاط کے نتیجہ میں استقرار حمل کے اندیشہ سے نجات دلا دی تھی۔ ماں باپ کی حاکمیت صنعتی دور کی بڑھتی ہوئی انفرادیت پسندی کے باعث اپنی معاشی بنیاد کھو بیٹھی تھی۔ باغیانہ رجحان رکھنے والے نوجوانوں کے لئے اب گاؤں والوں کی نگرانی کا خوف باقی نہیں رہا تھا اور وہ اپنے گناہوں کو شہری ہجوم کی گمنامی کی اوٹ میں چھپا سکتے تھے۔

سائنسی ترقی کے باعث مذہب پر سائنس کی برتری مسلم ہوگئی۔ مشینی معاشی پیداواری عمل نے مشینی مادّیت پرست فلسفے جنم دیئے۔ تعلیم نے مذہب کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلائے۔ اس طرح اخلاقیات کے ماورائی سہارے کمزور سے کمزورتر ہوتے چلے گئے۔ یوں زرعی دور کے پرانے ضابطہ اخلاق کے خاتمے کا آغاز ہوا۔

جیسا کہ سقراط (399ق۔م) اور آگسٹس (314ق۔م) کے زمانوں میں ہوا تھا۔ ہمارے دور میں بھی جنگ نے اخلاقی گراوٹ کا باعث بننے والی قوتوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ پیلو پونیسئین جنگ (Peloponnesian War) کے تشدد اور سماجی انتشار کے بعد ہی ایلسی بائڈیس (Alcibiades) نے اپنے آپ کو آباؤ اجداد کے ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزی کرنے کے لئے آزاد محسوس کیا۔ اور تھراسی ماکس (Thrasy meches) کو یہ اعلان کرنے کی جرات ہوئی کہ طاقت ہی واحد سچائی ہے۔ ماریئس (Marius) اور سلا (Sulla) سیزر (Ceaser) اور پومپی (Pompey) انطونی اور اوکٹاویئس (Octavius) کی جنگوں کے بعد "روم ایسے انسانوں سے بھرا پڑا تھا جو اپنی معاشی بنیاد اور اخلاقی کردار کھو بیٹھے تھے۔ ایسے سپاہی جنہوں نے مہمات کا مزہ چکھ لیا تھا اور مارنا سیکھ گئے تھے۔ ایسے شہری جن کی جمع پونجی ٹیکسوں اور جنگ کے باعث پیدا شدہ افراطِ زر کی نذر ہوگئی تھی۔۔۔ عورتیں آزادی کے نشے میں سرشار روز افزوں طلاقیں، اسقاط حمل اور بدکاریاں۔۔۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس معاشرے کی قنوطیت اور کلبیت پر ایک سطحی پُرتصنع احساسِ تفاخر نے پردہ ڈال رکھا تھا۔(۱)

دو عالمی جنگوں کے بعد امریکہ اور یورپ کے شہر تقریباً یہی منظر پیش کر رہے ہیں۔

تاریخ یہ یاد دلا کر ہماری ڈھارس بندھاتی ہے کہ گناہ ہر دور میں پھلتا پھولتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ قدیم یونان، روم، یا نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں اٹلی میں ہم جنس پرستی جس قدر عام تھی اس کا مقابلہ ہماری موجودہ نسل میں ممکن نہیں "قدیم یونانی اور لاطینی تہذیب کا مطالعہ کرنے والوں نے اس بارے میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آریوسٹو (Ariosto) کے مطابق سب رومیوں اور یونانیوں کو ہم جنس پرستی کی لت پڑ چکی تھی(۲)" آریٹینو (Aretino) نے مانٹوا(Mantua) کے نواب سے ایک خوبصورت لڑکا بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ عصمت فروشی تو اسیریا(Assyria) کے سرکاری انتظام کے تحت چلنے والے قحبہ خانوں سے لیکر آج کے امریکی اور یورپی نائٹ کلبوں تک ہر دور میں عالمگیر پیمانے پر موجود رہی ہے۔ 1544ء میں وٹن برگ یونیورسٹی (University of Wittenberg) میں لوتھر (Luther) کے کہنے کے مطابق "لڑکیوں کی قوم بے باک ہو رہی ہے اور وہ استادوں کا تعاقب ان کے کمروں اور دفتروں میں اور جہاں کہیں بھی ممکن ہو کرتی ہیں اور انہیں اپنی محبت کی مفت پیشکش کرتی ہیں (۳)۔"

مونٹیگن (Montaigne) (1533ء) ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس کے زمانہ میں فحش لٹریچر ہاتھوں ہاتھ بک جاتا تھا۔ عہدِ بحالی کے انگلستان (Restoration England) اور ہمارے دور کی بے حیائی میں درجے کی بجائے صرف قسم (Kind) کا فرق ہے جان کلیلینڈ (John Cleland) کی (Memoirs of a Woman of Pleasure)

۱۔ Will Durant, Caesar and Christ P-211

۲۔ Will Durant, The Raenaissance P-576

۳۔ Will Durant, The Reformation, P-761

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۔۔۔ جو کہ جنسی اختلاط کے سلسلوں کی اسم با مسمٰی داستان ہے۔۔ 1749ء میں بھی اتنی ہی مقبول تھی جتنی 1965ء میں۔

نینوا کے قریب آثار قدیمہ کی کھدائی میں پانسے بھی ملے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ مرد وزن ہر دور میں جواء کھیلتے رہے ہیں۔ ہر دور میں لوگ بد دیانت اور حکومتیں بدعنوان رہی ہیں۔ اب غالباً پہلے کی نسبت کم ہیں۔

سولہویں صدی کے یورپ کے اخبار و جرائد ''خوراک اور دوسری اشیاء میں وسیع پیمانہ پر ملاوٹ کے خلاف احتجاج اور مذمت سے بھرے پڑے ہیں'' خدائی احکام (Ten Commandments) اور بنی نوع انسان میں کبھی ہم آہنگی نہیں ہو سکی ہے۔

والٹیر کے نقطہ نظر کے مطابق تاریخ بنی نوع انسان کے ''جرائم، حماقتوں اور بدنصیبیوں کا مجموعہ ہے''۔

گبن (Gibben) بھی تاریخ کے اس خلاصے سے پوری طرح متفق نظر آتا ہے۔

ہمیں یہ بات ایک بار پھر ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ لکھی ہوئی تاریخ عموماً بیتی ہوئی تاریخ سے بالکل مختلف ہوتی ہے مورخ غیر معمولی باتوں کو اس لئے احاطہ تحریر میں لاتا ہے کہ وہ دلچسپ اور منفرد ہوتی ہیں اگر وہ تمام افراد جنہیں بوزویل (Boswell) جیسا سوانح نگار میسر نہیں آیا (یعنی غیر اہم لوگ) تاریخ کے صفحات میں اپنے عددی تناسب سے جگہ پا لیتے تو ماضی اور انسانوں کے بارے میں نسبتاً صحیح معلومات سامنے آتیں اگر چہ وہ حقائق بہت زیادہ دلچسپ نہ ہوتے جنگ اور سیاست، بدنصیبی و غربت، بدکاری اور طلاق، قتل اور خودکشی کے تاریخ میں پیش کردہ ہولناک مناظر کے پیچھے لاکھوں پُر امن خاندان، وفاشعار زن وشوہر، مہربان وشفیق والدین اپنے بچوں کے دکھ سکھ سمیت موجود رہے تھے جن کا کبھی تاریخ کے صفحات میں ذکر نہ ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکا۔ اسکے باوجود بھی تصنیف کردہ تواریخ میں ہمیں نیکی، شرافت اور عالی ظرفی کے اس قدر واقعات ملتے ہیں کہ ہم برائیوں اور گناہوں سے درگزر کر سکتے ہیں۔ اگرچہ انہیں مکمل طور پر فراموش کرنا ممکن نہیں ماضی کے ادوار میں سخاوت اور بخشش کے احسانات میدان جنگ اور جیل خانوں کی ایذا رسانیوں کا تقریباً ازالہ کردیتے ہیں حتیٰ کہ ان سرسری بیان کردہ واقعات میں ہم انسانوں کو کتنی بار ایک دوسرے کی مدد کرتا دیکھتے ہیں۔۔۔ مثلاً ڈومینیکو سکارلیٹی (Domenico Scarlatti) کے بچوں کے لئے فارنیلی (Farinelli) کی امداد نوجوان ہیڈن (Hayden) کے لئے غوطہ خوروں کی مدد و تعاون کونٹے لیٹا (Conte litta) کا جان کرسچن (John Christian) کے قرضے ادا کرنا، باخ (Bach) کا بولوگنا (Bologna) میں حصولِ تعلیم، جوزف بلیک (Joseph Black) کا جیمز واٹ (James watt) کو بار بار ادھار رقم دینا اور اسی طرح پشبرگ (Puchberg) کا بڑے استقلال سے موزارٹ (Mozart) کو قرض کی فراہمی۔۔۔ کس میں ہمت ہے کہ انسانی نیکیوں اور اچھائیوں کی تاریخ رقم کرے!

ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ موجودہ دور کی اخلاقی گراوٹ ہمارے زوال کی نقیب ہے یا پھر اس کا سبب زرعی دور کے ضابطہ اخلاق کا صنعتی دور کے ضابطہ اخلاق سے تبدیلی کا عمل ہے۔ تبدیلی کا یہ عبوری دور تکلیف دہ بھی ہے اور خوش کن بھی۔۔۔ اگرچہ زرعی ضابطہء اخلاق اپنی معاشی بنیاد کھو بیٹھا ہے تاہم نئے ضابطہء اخلاق کو ابھی صنعتی تمدن نے سماجی نظم وضبط اور معیار عطا کرنا ہے تاکہ وہ ختم ہوتی ہوئی زرعی اخلاقی قدروں کی جگہ لے سکے اسکے علاوہ تاریخ شاہد ہے کہ تمدن بہت آہستہ آہستہ روبہ زوال ہوتے ہیں سوفسطائیوں (Sophists) کے ہاتھوں یونان کی اخلاقی تباہی سے کوئی دو سو پچاس سال بعد تک یونانی تمدن ادب اور فنونِ لطیفہ کے شہ پارے پیش کرتا رہا رومیوں کا اخلاقی طور پر زوال، مفتوح یونانیوں کی آمد (146 ق۔م) کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ لیکن روم میں مارکیوس آریلیس (Marcus Aurelius) کے انتقال (180ء) تک عظیم مدبر، فلسفی، شاعر اور مصور پیدا ہوتے رہے۔ سیزر کے عہد (60 ق م) میں روم سیاسی طور پر تحت الثریٰ میں پہنچ چکا تھا پھر بھی وحشی اسے 405ء تک مکمل طور پر تسخیر نہ کر سکے ہمیں بھی تباہ ہوتے ہوتے سلطنت روما جتنا لمبا عرصہ تو لگ ہی جائے گا!

ایک امید یہ بھی ہے کہ شائد ہمارے تمدن میں جنگ کے خطرات کے پیش نظر ضروری عسکری تربیت کے ذریعے نظم وضبط بحال ہو جائے۔ چونکہ کسی جزو کی آزادی کا تصور کُل کی حفاظت کے تصور سے مربُوط ہے اس لئے امریکہ اور انگلستان میں جغرافیائی تحفظ کے خاتمے کے خطرے کے باعث انفرادیت پسندی کا تصور بھی ختم ہو جائے گا۔ جنسی آزادیاں اپنی کثرت کے باعث خود ہی اپنا علاج ثابت ہونگی۔ ہماری بے راہ روئی نسل شائد مستقبل میں یہ دیکھے کہ نظم وضبط اور عصمت وعفت کے تصورات فیشن بن گئے ہیں اور عریانیت کی نسبت ملبوس ہونا زیادہ پر کشش سمجھا جانے لگا ہے۔

ہماری اخلاقی آزادیاں زیادہ تر اچھی ہی ہیں مذہبی دہشت ناکیوں سے چھٹکارا مل جانا کس قدر خوشگوار امر ہے جب ہم ضمیر کی خلش کے بغیر ایسی خوشیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جو نہ ہمارے لئے اور نہ کسی دوسرے کے لئے ضرر رساں ہیں تو یہ کس قدر عمدہ بات ہے۔ پرانی اور فرسودہ اخلاقی قدروں سے آزادی پا کر جب ہم اپنے آزاد وجود پر کھلی ہوا کا لمس محسوس کرتے ہیں تو یہ کتنا اچھا لگتا ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتواں باب

مذہب اور تاریخ

ایک متشکک مورّخ بھی جب مذہب کو ہر دور اور ہر سر زمین میں روبہ عمل اور بظاہر ناگزیر دیکھتا ہے تو اس کے دل میں مذہب کے لئے کچھ نہ کچھ عزت وتکریم پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ناخوش، مصیبت میں مبتلا لوگوں اور سوگواروں وضعیفوں کے لئے ایسی ماورائی آسائشیں مہیا کرتا ہے جو لاکھوں لوگوں کے نزدیک کسی بھی مادی مدد سے زیادہ بیش قیمت ہوتی ہیں۔ مذہب نے (والدین اور اساتذہ کا) نوجوانوں میں نظم وضبط پیدا کرنے میں ہاتھ بٹایا ہے۔ اس نے عاجز ترین مخلوق کو بھی عزت و وقار عطا کیا ہے۔ اور مذہبی رسومات کے ذریعے انسانی معاملات کو باضابطہ طور پر خدائی معاملات میں تبدیل کر دیا ہے اسطرح مذہب نے معاشرہ کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

نپولین کے بقول مذہب نے غریبوں کو امیروں کا قتلِ عام کرنے سے باز رکھا ہے۔ چونکہ انسان فطری طور پر غیر یکساں ہیں اس صلاحیت وقابلیت کی غیر یکسانیت کی وجہ سے ہم میں سے بہت سوں کا مقدر غربت یا شکست خوردگی ہوتا ہے ایسی مایوسی کے عالم میں مذہب کی عطا کردہ ایک ماورائی امید ہی انسان کا واحد سہارا ہوتی ہے اس امید کو تباہ کرنے سے طبقاتی جنگ میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ آسمانی جنت اور ارضی جنت یا یوٹوپیا (Utopia) رہٹ کے ڈولوں کی مانند ہیں جب ایک نیچے جائے تو دوسرا اوپر آ جاتا ہے جب مذہب انحطاط پذیر ہو تو کمیونزم پھلتا پھولتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی نظر میں مذہب کا اخلاقیات سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ بظاہر یہاں ہم محض اندازہ لگا رہے ہیں یا پیٹرونیس (Petronius) کی بات دہرا رہے ہیں جس نے یہ بات لیوریٹیس (Lueretius) کے حوالے سے کی "یہ خوف ہی تھا جس نے پہلے پہل دیوتاؤں کو جنم دیا"۔۔۔ زمین میں پوشیدہ قوتوں، دریاؤں، سمندروں، درختوں، ہواؤں اور آسمانوں کا خوف۔۔۔ ان قوتوں کی رضاجوئی کے لئے چڑھاؤں، قربانیوں، منتروں اور دعاؤں کے ذریعے پوجا نے مذہب کی شکل اختیار کرلی جب مذہبی پیشواؤں نے ان اندیشوں اور رسومات کو اخلاقیات اور قانون کی حمایت کے لئے استعمال کرنا شروع کیا تو مذہب ریاست کے مدمقابل ایک اہم قوت کے طور پر ابھرا۔ انہوں نے لوگوں کو باور کرایا کہ اخلاق اور قوانین کے مقامی ضابطے دیوتاؤں کا عطیہ ہیں۔ قدیم زمانہ کی تصاویر میں دیوتا تھوتھ (Thoth) مینیز (Menes) کو مصر کے لئے قوانین عطا کرتے، اور دیوتا شمس (Shamash) کو حمورابی (Hammurabi) کو بابل کے لئے ضابطہ اخلاق دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح یہودا (Yahweh) سے حضرت موسیٰ ؑ کو دس احکامات (Ten Commandments) اور چھ سوستره اصول اخلاق لیتے ہوئے اور آسمانی پری اجیر یا (Egeria) سے نوما پومپلیس (Noma Pomplius) کو روم کے لئے قوانین لینے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ پاگان (Pagan) مسلک اور عیسائی عقائد اس امر کا واضح اعلان کرتے تھے کہ زمینی حکمران آسمانی خداؤں کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں اور وہی ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس حمایت کے لئے شکر گزاری کے طور پر تقریباً ہر حکومت اپنی زمینوں اور محاصل کی آمدنی میں مذہبی پیشواؤں کا حصہ رکھتے تھے۔

مذہب کے کچھ مخالفین کا خیال ہے کہ مذہب نے کبھی بھی اخلاقی قدروں کی ترقی و حفاظت میں کوئی کردار ادا نہیں کیا کیونکہ اخلاقی بے راہ روی میں مذہبی غلبہ کے زمانوں میں بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضافہ ہوتا رہا ہے قرون وسطی کے مذہبی زمانوں میں بھی شہوت پرستی، شراب نوشی، فحش گوئی، لالچ، بددیانتی، ڈاکہ زنی اور تشدد موجود رہے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ تقریباً پانچ سو سال کے وحشیوں کے حملوں، جنگوں، معاشی بدحالی اور سیاسی ابتری کے باعث پیدا ہونے والا اخلاق بحران غالباً بہت زیادہ شدید ہو جاتا اگر مسیحی اخلاق، مذہبی پیشواؤں کی نصیحتوں، عیسائی ولیوں کی سبق آموز زندگیوں، اور سکون اور یکجائی پیدا کرنے والی مذہبی رسومات کی اعتدال پیدا کرنے والی قوتیں موجود نہ ہوتیں۔ رومن کیتھولک کلیسا نے غلامی، خاندانی جھگڑوں اور قومی مخاصموں کے خاتمے امن اور صلح کے دورانیوں میں توسیع کرنے، اور مبارزت یا کڑی سزاؤں کے ذریعے سچ جھوٹ کی پہچان کرنے کی بجائے مسلمہ عدالتوں کے نظام پر مبنی نظامِ انصاف کو رائج کرنے کے لئے بہت کوشش کی ہے اس نے رومن یا وحشیانہ قوانین کے تحت نافذ کردہ سزاؤں میں نرمی پیدا کی اور خیراتی اداروں کی تنظیم اور گنجائش کو بہت زیادہ وسعت دی۔

گرچہ کلیسا ریاست کے تحت خدمات انجام دیتا تھا لیکن اس کا دعویٰ سب ریاستوں سے بالاتر ہونے کا تھا کیونکہ اسکے مطابق اخلاقیات کو دنیاوی طاقت سے بالاتر ہونا چاہیئے کلیسا نے لوگوں کو سکھایا کہ ایسی حب الوطنی جس پر اعلیٰ تر خدائی کنڑول نہ ہو لالچ اور جرم کا ہتھیار بن سکتی ہے مسابقت میں شریک مسیحی دنیا کی تمام حکومتوں کے لئے کلیسا نے یکساں اخلاقی ضوابط کا نفاذ کیا روحانی برتری اور خدائی احکام کا ماخذ ہونے کے باعث کلیسا ایک ایسی بین الاقوامی عدالت کی حیثیت اختیار گیا جس کے سامنے تمام حکمران اخلاقی طور پر جواب دہ تھے۔ شہنشاہ ہنری چہارم نے اس کا عملی ثبوت 1077ء میں کینوسا (Canossa) میں پوپ گریگری ہفتم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے دیا۔ اور ایک صدی بعد پوپ معصوم سوئم (Innocent III) نے پاپائیت کے اختیار اور وقار کو اس درجہ کمال تک پہنچا دیا کہ یوں دکھائی دیتا تھا گویا پوپ گریگری (Gregery) کا اخلاقی آسمانی بادشاہت کا خواب تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ عظیم الشان خواب قوم پرستی، تشکیک اور انسانی کمزوریوں کے حملوں کا شکار ہو کر بکھر گیا۔ کلیسا کا انتظام انسانوں کے ذمہ تھا جو اکثر متعصب، ضمیر فروش یا لوٹ کھسوٹ کرنے والے ثابت ہوئے جب فرانس کی دولت اور طاقت میں اضافہ ہوا تو انہوں نے پاپائیت کو اپنا سیاسی آلہ کار بنا لیا بادشاہ اتنے طاقتور ہو گئے کہ انہوں نے پوپ کو پادریوں کی مجلس (Jesuit) کالعدم کرنے پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ یہ وہ ادارہ تھا جس نے پاپائیت کے اقتدار کی بڑھ چڑھ کر حمایت کی تھی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ کلیسا پارسائی کی جھوٹی داستانوں، جعلی تبرکات اور مشکوک معجزوں کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دینے پر اتر آیا مثلاً صدیوں تک کلیسا نے نام نہاد ''عطیہ کونسٹنٹائین'' (Donation of constantine) کی افسانوی روایت جس کے تحت مغربی یورپ پوپ سلویسٹر اول (Pop Sylvester-I) کی میراث قرار دیا گیا تھا سے بھرپور مفاد حاصل کیا۔

اسی طرح ''جعلی فتووں'' (False Decretals) (جو کہ جعلسازی سے بنائی ہوئی دستاویزات پر مشتمل تھے) کے ذریعے پاپائیت کی مطلق العنان طاقت کو مذہبی تقدس اور دوام عطا کر دیا گیا۔ مذہبی پیشواؤں نے اپنی تمام تر توانائیاں اخلاقی قدروں کو فروغ دینے کی بجائے دقیانوسیت پھیلانے میں صرف کر دیں۔ اور مذہبی عدالتوں (Inquisition) نے تو کلیسا کی انتہائی تذلیل کا سامان کر دیا۔ حتیٰ کہ امن کا پرچار کرنے کے دوران بھی کلیسا نے سولھویں صدی کے فرانس میں مذہبی جنگیں اور سترھویں صدی میں جرمنی میں تیس سالہ جنگ شروع کروادی۔

کلیسا نے غلامی کے خاتمہ کے لئے جو جدید اخلاقیات کا سب سے زیادہ قابل ستائش کارنامہ سمجھا جاتا ہے، کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ان سب وجوہات کے باعث مذہبی راہنماؤں کی بجائے فلسفیوں کو انسانی تحریکوں کی راہنمائی کرنے کا موقع مل گیا جس سے مذہب کی اخلاقی قوت کے طور پر اہمیت مزید کم ہوگئی۔تاہم انسانی تحریکوں کی کامیابی کی وجہ سے ہمارے دور کی برائیوں میں کچھ کمی آگئی ہے۔

تاریخی طور پر کلیسا کا یہ نظریہ حق بجانب ثابت ہوا ہے کہ انسانوں کی اکثریت معجزوں، پُراسراریت اور دیومالا سے بھرپور مذہب کی خواہاں ہے۔اگرچہ مذہبی رسومات، پادریوں کے ملبوسات اور پیشوائیت کی درجہ بندی میں معمولی ترامیم کی گئی ہیں لیکن کلیسا میں ان عقائد کو تبدیل کرنے کی ہمت و جرات نہیں جن پر عقل و استدلال خندہ زن ہیں۔کیونکہ ایسی تبدیلیاں ان لاکھوں لوگوں کو مشتعل اور مذہبی سحر سے آزاد کردیں گی جن کی امیدیں خوش کن اور تسلی آمیز مذہبی تصورات سے وابستہ ہیں۔

مذہب اور فلسفہ میں کوئی مفاہمت ممکن نہیں ماسوائے اس کے کہ فلسفی یہ تسلیم کرلیں کہ انہیں کلیسا کی اخلاقی قوت کا کوئی نعم البدل نہیں مل سکا اور مذہبی پیشوائیت عقلی استدلال اور مذہبی آزادی کے حق کو تسلیم کرے۔

کیا تاریخ کے مطالعہ سے خدا پر یقین رکھنے کے عقیدے کے حق میں دلائل ملتے ہیں؟اگر خدا سے ہماری مراد فطرت کی تخلیقی قوت کی بجائے ایک باشعور، رحیم وکریم، اعلیٰ وارفع ہستی سے ہے تو اس سوال کا جواب قدرے تذبذب کے ساتھ نفی میں ہوگا۔حیاتیات کے دوسرے شعبوں کی طرح، تاریخ بھی اصل میں ایک ایسی جدوجہد اور کشمکش کے نتیجہ میں موزوں ترین افراد یا گروہوں کے انتخاب کا عمل ہے۔جس میں نہ تو نیکی اور اچھائی کو کسی قسم کی برتری حاصل ہے، اور جہاں قدم قدم پر حادثات اور ناکامی کا سامنا ہے اور زندہ رہنے کی صلاحیت ہی سب سے بڑی سچائی ہے۔انسانی اور حیوانی زندگی کو انسانی مظالم وتشدد، جنگوں اور جرائم کے علاوہ وقتاً فوقتاً "خدائی افعال" یعنی زلزلوں، طوفانوں، دریاؤں، سمندری موجوں کے ہاتھوں بھی تباہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و بربادی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ یہ تمام حقائق ایک ایسی اندھی اور غیر جانبدار تقدیر کی موجودگی کی گواہی دیتے ہیں جس میں ضمناً اور محض اتفاقیہ طور پر باطنی تناسب، خوبصورتی، شکوہ و جلال کے حامل مناظر بھی موجود نظر آتے ہیں۔

تاریخ کسی مذہبی نظریئے کی حمایت اسی صورت میں کرے گی اگر یہ مذہبی عقیدہ زرتشت یا مانویوں (Manichaean) کی مانند دُہرے پن کا حامل ہو۔۔۔ ایک نیک روحانی قوت کا ایک برائی کی نمائندہ قوت سے کائنات اور انسانی روح پر قبضہ کے لئے برسرِ پیکار ہونا۔۔۔ زرتشتی یا مانوی عقائد اور عیسائیت (جو بنیادی طور پر مانوی ہی ہے) اپنے پیروکاروں کو یہ یقین دہانی کراتے ہیں کہ نیکی کی قوت غالب آتی ہے۔ لیکن تاریخ کسی ایسے نتیجہ کے لئے کوئی یقین دہانی نہیں کراتی۔ فطرت اور تاریخ کو ہماری اچھائی اور برائی کے تصورات سے اتفاق نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اچھا وہی ہے جو باقی رہتا ہے اور بُرا وہ جو مٹ جائے۔ اور کائنات کا میلان خاطر نہ حضرت عیسیٰ کے حق میں ہے نہ ہی چنگیز خان کے خلاف۔

کائنات میں انسان کے بہت ہی حقیر مقام کے بارے میں جوں جوں علم ہوتا گیا۔ مذہبی اعتقاد بھی اسی رفتار سے مجروح ہوتا چلا گیا۔ مسیحی دنیا میں مذہبی اعتقاد کے زوال کا آغاز کوپرنیکس (Copernicus) کے دور (1543ء) سے ہوا۔ یہ عمل گرچہ سست رو تھا لیکن 1611ء میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جان ڈن (John Donne) اس بات پر اظہارِ افسوس کر رہا تھا کہ زمین اس کائنات میں محض ایک ''ذیلی بستی'' بن کر رہ گئی ہے اور یہ کہ ''نئے فلسفے نے ہر ایک بات کو شک و شبہ میں ڈال دیا ہے'' اور فرانسس بیکن (Francis Bacon) جو کسی حد تک مذہبی رجحان بھی رکھتا تھا یہ اعلان کرنے لگا کہ عہد جدید کے آزاد انسانوں کا مذہب سائنس ہوگا۔ غرضیکہ خدا کے ایک خارجی ہستی کے طور پر تصور کے ''خاتمہ'' کا آغاز اسی دور میں ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بہت بڑے وقوعہ کی سائنس اور علمِ تاریخ کی ترویج و اشاعت کے علاوہ بھی کئی وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ پروٹسٹنٹ اصلاح پذیری کی تحریک (Protestant Reformation) تھی جس کے باعث انفرادی سمجھ اور بصیرت کو درخورِ اعتنا سمجھا جانے لگا۔ پھر بہت سے پروٹسٹنٹ فرقے متصادم عقائد کے حامل تھے جن میں ہر ایک بیک وقت الہامی کتابوں پر اور عقل و خرد کی کسوٹی پر پورا اُترنے کی کوشش میں تھا۔ علاوہ ازیں بائبل پر اعلیٰ تر تنقید جو اس جلیل القدر صحیفے کو دراصل پُر خطا انسانوں کی ناقص تصنیف ظاہر کرتی تھی۔ پھر انگلستان میں الوہیت کی تحریک (Deistic Movement) جس کی رو سے مذہب کو ایسے خدا پر ایمان لانے تک محدود کر دیا گیا جسے فطرت سے تمیز کرنا مشکل تھا۔

اسکے علاوہ دوسرے مذاہب سے آشنائی کے باعث بھی عیسائیت کو بڑا دھچکا لگا کیونکہ ان مذاہب کی اکثر روایات جو عموماً عیسائیت سے پہلے کی تھیں عیسائی عقیدہ کے مفروضہ حقیقی واقعات سے تکلیف دہ حد تک یکساں تھیں۔ مزید برآں پروٹسٹنٹوں اور الوہیت پسندوں نے کیتھولک فرقے اور بائبل کے جعلی معجزوں کو بے نقاب کر دیا۔ پھر لوگوں میں بیداری عام ہونے کے باعث مذہب کی تاریخ کے قتل عام اور دینی عدالتوں کی ناانصافیوں اور دھوکہ دہی کا عوام میں عام چرچا ہونے لگا۔ پھر زراعت ـــ جس نے زندگی کے سال کے بعد دوبارہ نمو پانے اور افزائش کی پر اسراریت کی بنا پر لوگوں کو ایک ماورائی ہستی پر ایمان لانے پر آمادہ کیا تھا ـــ کا صنعت سے بدل جانا، جس میں مشینوں کی روزانہ کی تیز رفتار نغمگی اس دُنیا کے بارے میں ایک مشینی تصور پیش کرتی ہے۔ اسکے علاوہ اسی دوران متشکک علما مثلاً بائل (Bayle) اور وحدت الوجودی فلسفیوں مثلاً سپنوزا (Spinoza) کی دلیرانہ پیش قدمی؛ فرانسیسی خرد افروزی (French Enlightenment) کا عیسائیت پر شدید حملہ، انقلاب فرانس کے دوران پیرس کی کلیسا کے خلاف بغاوت، مزید برآں ہمارے دور میں جدید جنگوں کے دوران

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہری آبادی کا بلا امتیاز قتل عام۔ ان سب باتوں نے لوگوں کو مذہب سے برگشتہ کر دیا۔ سب سے بڑھ کر سائنسی ٹیکنالوجی کی شاندار کامیابیاں جنہوں نے انسانوں کو بے انتہا طاقت اور تباہ کن صلاحیت کا مالک بنا دیا اور وہ آسمانوں کیا الوہی بالادستی کو چیلنج کرنے لگے۔

عیسائیت نے اپنے پیروکاروں میں ایسی اخلاقی حس پیدا کرنے کی کوشش کی جو روایتی مذہب کے سزا دینے والے خدا کے تصور کو برداشت نہیں کرتی تھی۔ اس طرح عیسائیت نے اپنی تباہی کو خود دعوت دی۔ تعلیم یافتہ خیالات کے حامل لوگوں بلکہ منبر کے وعظوں میں سے بھی دوزخ کا تصور غائب ہو گیا۔ پریس بائیٹرین (Presbyterians) ویسٹ منسٹر اعترافات (Westminister Confessions) پر شرمندگی محسوس کرنے لگے، جو انہیں ایسے خدا پر ایمان رکھنے پر مجبور کرتے تھے۔ جس نے کروڑوں مرد اور عورتیں اپنے اس پیشگی علم ہونے کے باوجود تخلیق کئے کہ ان کی نیکیوں یا جرائم سے قطع نظر ان کا مقدر ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بننا ہے۔ سسٹائن چیپل (Sistine Chaple) کی زیارت کرنے والے پڑھے لکھے عیسائی وہاں مائیکل اینجلو کی وہ تصویر دیکھ کر ششدر رہ گئے جس میں حضرت عیسیٰؑ کو گنہ گاروں کو پکڑ پکڑ کر ایسی بھٹی میں بڑی تیزی سے جھونکتے ہوئے دکھایا گیا ہے جس کی آگ کے شعلے کبھی سرد نہیں ہوتے۔ وہ سوچتے کیا یہ وہی ''مہربان، منکسر المزاج اور شریف یسوع مسیح'' ہیں جنہوں نے ہمارے نوجوانوں کو متاثر کر رکھا تھا؟

یونانیوں کی اخلاقی نشوونما کے باعث ان کا اولمپس (Olympus) کے جھگڑالو اور بدکار دیوی دیوتاؤں پر ایمان کمزور ہو گیا تھا۔ افلاطون نے لکھا ہے ''انسانوں کی ایک بڑی تعداد دیوتاؤں کے وجود پر بالکل یقین نہیں رکھتی'' اسی طرح مسیحی اخلاقیات کی ترقی نے آہستہ آہستہ مسیحی دینیات کی بیخ کنی کر دی۔ یسوع مسیح حضرت عیسیٰ کے اس روپ نے جو اُن کی اخلاقی عظمت اور انسان دوستی پر دلالت کرتا ہے یہودا (Jehovah) عیسائیت میں اللہ تعالیٰ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایتی تصور (جو ایک جبار قہار اور سزا دینے والی ہستی ہے) کو تباہ کر دیا۔

سیکولر اداروں کا مسیحی اداروں کی جگہ لے لینا صنعتی انقلاب کا انتہائی اہم واقعہ ہے جو صنعتی دور کے نقطہ عروج پر پہنچنے کی علامت ہے۔ آج جب ریاستیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مذہبی سہارے تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہیں تو یہ عمل آج کے جدید ذہنوں کو حیران و پریشان اوران کے رویوں کو غیر سنجیدہ کر دیتا ہے۔

قوانین جنہیں کبھی خدائی احکامات کی صورت میں پیش کیا جاتا تھا اب انہیں کھلم کھلا خطا کار انسانوں کی غلط ملط کردہ کاوشیں کہا جاتا ہے۔ تعلیم جو کبھی خدارسیدہ مذہبی پیشواؤں کا مقدس شعبہ سمجھی جاتی تھی۔ اب مذہبی جبوں اور برگزیدگی کی اکڑفوں سے عاری ان مرد اور عورتوں کا پیشہ بن گئی ہے۔ جو استدلال اور ترغیب کا سہارا لیکر ایسے نوجوان شورش پسندوں کو متمدن بنا رہے ہیں جو صرف قانون کی طاقت سے خوف کھاتے ہیں اور جنہیں اسکے علاوہ کوئی بھی شے معقولیت اختیار کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔

کالجوں پر جو کبھی گرجوں سے منسلک ہوا کرتے تھے اب سائنس دانوں اور کاروباری لوگوں کا قبضہ ہے۔ حب الوطنی، اور سرمایہ داری یا کیمونزم کے پراپیگنڈہ نے لوگوں کے ذہن میں ایک ماورائی عقیدہ اور ضابطہ اخلاق کی جگہ حاصل کر لی ہے۔

مقدس تہواروں کے دن (Holy Days) اب چھٹیوں (Holidays) میں بدل گئے ہیں۔ اب اتوار کے دن بھی گرجا گھر آدھے خالی رہتے ہیں اور تھیٹر بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اینگلو سیکسن خاندانوں میں مذہب ایک سماجی رسم اور ایک حفاظتی نشان بن چکا ہے۔ البتہ امریکی کیتھولک خاندانوں میں یہ پھل پھول رہا ہے فرانس اور اٹلی کے بالائی اور درمیانے طبقوں میں اسے ''خواتین کی ثانوی جنسی خصوصیت'' قرار دیا جاتا ہے اس امر کی بے شمار علامتیں ملتی ہیں کہ آج عیسائیت کو اُسی طرح کے زوال کا سامنا ہے جیسا کہ سوفسطائیوں (Sophists) اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یونانی خِرد افروزی (Greek Enlightenment) کے دور میں پُرانے یونانی مذہب کو تھا۔

کیتھولک عقیدہ میں ابھی بھی سکت باقی ہے کیونکہ یہ تصور، امید اور احساسات پر مبنی ہے اور اسکی روایات غریبوں کے لئے حوصلہ و مسرت کا سرچشمہ ہیں۔ اس عقیدہ کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافے کا ایک سبب کیتھولک لوگوں کی زیادہ شرح پیدائش بھی ہے۔ جس کے باعث اصلاح پذیری کی تحریک کی دوران اس کے ماننے والوں میں ہونے والی کمی کا ازالہ کافی حد تک ہو گیا ہے۔ اگرچہ کیتھولک عقیدہ کو دانشور طبقہ کی حمایت حاصل نہیں ہے اور پڑھے لکھے افراد سیکولر تعلیم اور لٹریچر کے عمل دخل کے باعث اِس سے دور ہٹتے جا رہے ہیں لیکن عقل و استدلال کی بے یقینی سے گھبرائے ہوئے اور کلیسا سے یہ امید رکھنے والے کہ اس میں معاشرے کے اندرونی خلفشار اور کمیونزم کے خطرے پر قابو پانے کی صلاحیت ہے روز بروز کیتھولک عقیدہ میں داخل بھی ہوتے جاتے ہیں۔

اگر ایک اور جنگِ عظیم مغربی تہذیب کو تباہ کر دیتی ہے تو نتیجتاً پیدا ہونے والی شہروں کی تباہی، غربت اور سائنس کی بے وقعتی کے دور میں صرف کلیسا ہی اس طوفانِ بلا سے بچ جانے والوں کے لئے واحد امید اور رہنمائی کا پیغامبر ہو گا۔ جیسا کہ پہلے 476ء میں ہو چکا ہے۔

تاریخ کا ایک سبق یہ ہے کہ مذہب کی کئی زندگیاں ہوتی ہیں اور وہ اپنی خاک سے بار بار جنم لیتا ہے۔ ماضی میں کتنی بار خدا اور مذہب ختم ہو کر دوبارہ زندہ ہو چکے ہیں! فرعون اخناطون (Aklenaten) نے اپنی بادشاہت کی تمام قوتیں دیوتا آمن (Amon) کے مذہب کے خاتمے کے لئے استعمال کیں لیکن اخناطون کی موت کے ایک سال کے اندر ہی آمن کا مذہب دوبارہ رائج ہو گیا۔

مہاتما بدھ کی نوجوانی کے دنوں میں ہندوستان میں دہریت کا چرچا تھا۔ اور مہاتما بدھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بذاتِ خود خدا کے بغیر مذہب کی بنیاد ڈالی۔ لیکن اس کی موت کے بعد بدھ مت ایک پیچیدہ الٰہیات کی صورت اختیار کر گیا۔ جس میں دیوتاؤں ولیوں اور جہنم کے تصورات شامل تھے۔ فلسفہ، سائنس اور تعلیم کے زیر اثر قدیم یونانی دیو مالائی عقائد غیر مقبول ہو گئے لیکن اس خلا کے باعث کوئی درجن بھر مشرقی مذہبی عقائد جو دوبارہ جی اٹھنے (Resurrection) کی روایات و تصورات سے بھر پور تھے، یونان میں جگہ پا گئے۔ 1793ء میں ہیبرٹ (Hebert) اور شامٹے (Chaumette) نے روسو (Rousseau) کی تعلیمات سے متاثر ہو کر نیز بدنظمی وافراتفری کے ڈر سے خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کا دوبارہ اہتمام کیا۔ 1801ء میں نپولین نے جو تاریخ کا مزاج آشنا تھا پوپ پائس ہفتم (Pius VII) سے ایک معاہدے کے ذریعے فرانس میں کیتھولک چرچ کی دوبارہ ترویج کا انتظام کیا۔ اٹھارویں صدی کے دوران عروج پانے والی لامذہبیت کا ملکہ وکٹوریہ کے کلیسا سے سمجھوتے کے باعث انگلستان سے خاتمہ ہو گیا۔ اس سمجھوتے کے تحت حکومت برطانیہ کلیسا کی حمایت پر رضامند ہو گئی حکومت میں عمل دخل رکھنے والے بارسوخ تعلیم یافتہ طبقے نے مذہب کے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کا اعلانیہ اظہار کرنے کی بجائے اس معاملے میں خاموش نیم رضامندی کی پالیسی اختیار کر لی۔ جواباً کلیسا نے عملاً ریاست کی برتری تسلیم کر لی اور کار پردازان کلیسا عمائدین حکومت کے تابع فرمان ہو گئے۔ امریکہ میں، اسکے بانی رہنماؤں کی عقلیت پسندی انیسویں صدی کے دوران احیائے مذہب کی تحریک کی نذر ہو گئی۔

مذہبی سخت گیری اور مذہبی آزادروی۔۔۔ یعنی جذبات وخواہشات کا پابند، مقید ہونا یا ان کی مکمل آزادی۔۔۔ ایک باہمی ردِ عمل کے باعث تاریخ میں ایک دوسرے کے بعد آتے رہے ہیں۔ عام طور پر مذہب اور مذہبی سخت گیری اس دور میں پروان چڑھتے ہیں جب سماجی، معاشرتی قوانین اور ان کو نافذ کرنے والا نظام کمزور ہوتا ہے اور معاشرے میں نظم وضبط برقرار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھنے کی ذمہ داری اِخلاقیات پر آن پڑتی ہے۔ جبکہ تشکیک اور کفر والحاد اس وقت ترقی وعروج پاتے ہیں جب دوسرے تمام عوامل یکساں رہتے ہوئے قانون اور حکومت اپنی بڑھتی ہوئی طاقت کے باعث کلیسا، خاندان اور اخلاقیات کو ریاستی استحکام کے لئے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اور برسرِ اقتدار طبقہ کو ان اخلاقی و مذہبی قوتوں کے زوال پذیر ہونے کے بارے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

اسی لئے ہمارے عہد میں ریاستی مضبوطی کے باعث ایمان اور اخلاقی قدریں کمزور پڑ گئی ہیں اور مذہبی آزادروی یا دوسرے لفظوں میں کفر والحاد کو اپنا سکہ جمانے کا پورا موقع میسر آ گیا ہے۔ شائد ہماری ان زیادتیوں کا ایک اور ردعمل ہو اور اس اخلاقی ابتری کے نتیجے میں ایک بار پھر مذہب سے لگاؤ پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ فرانس میں 1870ء کے ابتلاء کے بعد ہوا شائد خدا پر یقین نہ رکھنے والے اپنے بچوں کو دوبارہ کیتھولک سکولوں میں بھیجنے لگیں تا کہ ان میں مذہبی ایمان و اعتقاد کے باعث نظم و ضبط پیدا ہو جائے۔ ذرا لا ادری فلسفی رینان (Agnostic Renan) کی 1866ء میں کی گئی اپیل ملاحظہ کریں:۔

''آیئے اس آزادی سے لطف اندوز ہوں جو صرف خدا کے مقربین کو ہی نصیب ہوتی ہے لیکن یہ احتیاط لازم ہے کہ ہم نیکی اور اچھائی کو اس قدر محدود اور کم نہ کردیں کہ اس سے معاشرے کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے۔ اگر عیسائیت کمزور پڑ گئی تو مذہب کے بغیر ہم کسی قابل بھی نہیں رہیں گے اگر عقلیت پسند انسان کی روحانی ضروریات کا خیال کئے بغیر اس دنیا پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں انقلابِ فرانس کے نتائج وعواقب کو ضرور سامنے رکھنا چاہئے جہاں ایسی حماقت کا ارتکاب کیا گیا تھا۔(۱)'' کیا تاریخ رینان کے اس تجزیہ کی تائید کرتی ہے کہ مذہب اخلاقیات کے لئے ضروری ہے ۔۔۔ یعنی فطری اخلاقیات اس وحشی پن پر قابو نہیں پا سکتی جو ہمارے تمدن تلے پوشیدہ ہے اور جس کا اظہار ہمارے خوابوں، جرائم اور جنگوں کے ذریعے ہوتا

۱۔ Renan, The Apostles xxxiii

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے؟ جوزف ڈی مائیسٹر (Joseph De Maistre) نے اس بارے میں یوں خیال آرائی کی ہے"مجھے اس بات کا پتہ نہیں کہ ایک بدمعاش کے دل میں کیا ہے، البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ ایک نیک آدمی کے دل میں جو کچھ ہے وہ بہت ہی خوفناک ہے۔"

ہمارے دور سے پہلے تاریخ میں کوئی ایسی نمایاں مثال نہیں ملتی کہ کسی معاشرے نے مذہب کی مدد کے بغیر کامیابی سے اخلاقی نظم وضبط برقرار رکھا ہو۔ فرانس، امریکہ اور کئی دوسرے ممالک نے اپنی حکومتوں کو سب کلیساؤں سے علیحدہ کر لیا ہے لیکن معاشرتی نظم وضبط برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے بھی مذہب سے مدد لی ہے۔ صرف چند کمیونسٹ ممالک نے اپنے آپ کو نہ صرف مذہب سے علیحدہ کر لیا ہے بلکہ وہ اس کی مدد لینے سے بھی انکاری ہیں۔ شاید روس میں اس تجربے کی عارضی اور ظاہری کامیابی کا سبب زیادہ تر یہ ہے کہ وہاں لوگوں نے عبوری طور پر کمیونزم کو مذہب جسے متشکک حضرات افیون کہتے ہیں کے طور پر قبول کر لیا ہے اور کلیسا کی بجائے کمیونزم کو امید اور سکون کا پیامبر سمجھ لیا ہے۔ اگر سوشلسٹ نظامِ حکومت عوام میں غربت کا خاتمہ کرنے میں ناکام ہو گیا تو یہ نیا مذہب اپنی تاثیر اور جذبہ کھو بیٹھے گا۔

اور ریاست کو غیر مطمئن لوگوں کو خاموش کرانے کے لئے دوبارہ ماورائی اعتقادات کی بحالی کی پوشیدہ طور پر اجازت دینی پڑے گی۔

یہ حقیقت ہے کہ "جب تک غربت باقی ہے دیوتا موجود رہیں گے۔"(۱)

۱۔ Will Durant, The Mansions of Philosophy P-568

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھواں باب

معاشیات اور تاریخ

کارل مارکس کے مطابق تاریخ معاشیات کے روبہ عمل ہونے سے پیدا ہوتی ہے یعنی افراد، گروہوں، طبقات اور ریاستوں کے درمیان خوراک، ایندھن، مادی وسائل اور معاشی طاقت کے لئے مقابلہ کے حالات وواقعات اور نتائج کا نام تاریخ ہے۔

سیاسی نظاموں، مذہبی اداروں، تہذیبی تخلیقات، سب کی جڑیں معاشی حقائق میں پوشیدہ ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صنعتی انقلاب اپنے ہمراہ، جمہوریت، مساوات نسواں، ضبط تولید، سوشل ازم، انحطاط مذہب، اخلاقی قدروں کا زوال، ادب کی امراء کی سرپرستی سے آزادی، ناول وافسانہ کی صنف میں رومانویت کی جگہ حقیقت پسندی اور تاریخ کی معاشی توجیہہ لیکر آیا۔ تاریخ کی معاشی تفسیر نے تاریخی حقائق کو ایک نئے زاویئے سے پرکھنے کی دعوت دی۔

اس توجیہہ کے مطابق سماجی و معاشی تبدیلی کی تحریکوں میں شامل ممتاز ہستیاں ان تحریکوں کی وجہ نہیں بلکہ ان کے اثرات کی پیداوار تھیں تاریخ کی یہ تفسیر نئی بھی تھی اور حیران کن بھی۔ مثلاً تروجن لڑائی کے ہیرو وں اگا میمنن (Agamemnon) ایکلیز (Achilles) اور ہیکٹر (Hector) نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ یونانیوں کو ایک ہزار جہازوں کے ساتھ ٹرائے پر چڑھائی کے لئے آمادہ کرنے والی شہزادی ہیلن (Helen) کی خوبصورتی، کہ جس کا چہرہ ”ہزار ستاروں کی خوبصورتی میں ملفوف شام کی ہوا سے بھی زیادہ خوبصورت تھا“ کی بجائے درہ دانیال (Dardanelles) پر تجارتی کنٹرول کی معاشی ضرورت تھی۔ اسی طرح بہت سے اور ایسے معاشی حقائق بے نقاب ہوتے گئے جن کی برہنگی پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قدیم دور کے دقیقہ رس لوگوں نے الفاظ و تصورات کے پردے ڈال رکھے تھے۔

بلاشبہ تاریخ کی معاشی توجیہہ سے تقریباً سارے ہی تاریخی واقعات اور مناظر کی تشریح کی جاسکتی ہے مثلاً ایتھنا دیوی کا مندر پارتھینن (Parthenon) ڈیلوس کی ریاستوں کی دولت سے تعمیر ہوا کلوپیٹرا کے مصر کے خزانوں سے آگسٹس (Augustus) کے اٹلی نے (جس کی معیشت دم توڑ رہی تھی) نئی زندگی پائی اور یہ حکومت اس قابل ہوسکی کہ ورجل (Virgil) کو سالانہ وظیفہ اور ہوریس (Horace) کو جاگیر سے نواز سکے۔

روم اور ایران کی لڑائیوں کی مانند، صلیبی جنگیں بھی مغربی طاقتوں کی جانب سے مشرق کے تجارتی راستوں پر قبضہ کرنے کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ امریکہ کی دریافت انہی صلیبی جنگوں میں ناکامی کا نتیجہ تھی۔ میڈیچی (Medici) خاندان کی دولت اور ان کی آرٹ و لٹریچر کی سرپرستی نے فلورنس میں نشاۃ ثانیہ کو مالی طور پر ممکن بنایا ڈیورر (Durer) سا مصوّر اور نقاش نیورمبرگ (Nuremberg) کی تجارتی اور صنعتی ترقی کی پیداوار تھا۔ انقلاب فرانس والٹیر کی شاندار تحریروں یا روسو کی جذباتی رُومانی تصانیف کے باعث واقع نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ درمیانہ طبقہ جس نے معاشی رہبری حاصل کرلی تھی اسے اپنے کاروبار اور تجارت کے لئے قانون سازی کی آزادی درکار تھی اور وہ سیاسی اقتدار اور ممتاز سماجی حیثیت کے حصول کے لئے بے قرار تھا۔

مارکس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ افراد ہمیشہ ہی معاشی مفادات کے زیر اثر روبہ عمل ہوتے ہیں۔ وہ تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ابیلارڈ (Abelard) کے رومان، مہاتما بدھ کی تعلیمات یا کیٹس (Keats) کی تخلیقات کے پیچھے کوئی مادی محرکات تھے لیکن شاید وہ عوام کے طرزِ عمل میں غیر معاشی ترغیبات کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکا تھا مثلاً مسلمانوں کی افواج اور چینی فوجیوں میں مذہبی جوش و خروش، ہٹلر کی فوجوں یا جاپانی کامی کاز کے جذبہ قوم پرستی نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتوحات کی تاریخ میں نئے باب رقم کئے ہیں کیا یہ جذبات معاشی مفادات کی بنا پر پیدا ہوئے تھے؟

اسی طرح مشتعل ہجوم کی خود بخود بڑھنے والی غضب ناکی۔۔۔ جیسا کہ 2 سے 8 جون 1780ء تک لندن میں ہونے والے ہنگاموں یا 2 سے 7 ستمبر 1792ء میں پیرس کے قتلِ عام کے دوران نظر آئی۔۔۔ کا کوئی معاشی جواز فراہم نہیں کیا جا سکتا۔ ان صورتوں میں ممکن ہے رہنماؤں کے پیش نظر معاشی محرکات ہوں لیکن نتائج کا انحصار تو زیادہ تر عوام کے جذبات پر ہوتا ہے۔

بہت سی صورتوں میں سیاسی یا فوجی اقتدار معاشی عوامل کا نتیجہ ہونے کی بجائے اسکی وجہ قرار پایا ہے جیسا کہ 1917ء میں روس پر بالشویکوں کا قبضہ یا پھر جنوبی امریکہ کی تاریخ میں فوجی بغاوتوں کا تسلسل۔ کون یہ دعویٰ کرے گا کہ مسلمانوں کی سپین کی فتح، یا منگولوں کی مغربی ایشیا کی فتوحات، یا مغلوں کی ہندوستان کی فتح معاشی قوت کا نتیجہ تھیں؟ ان تمام معاملات میں غرباء امیروں کی نسبت طاقتور ثابت ہوئے۔ عسکری فتوحات کے باعث سیاسی بالادستی قائم ہوئی جس کے نتیجے میں فاتحین معاشی طور پر غالب آ گئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جرنیل عسکری مہارت اور منصوبہ بندی سے تاریخ کو اپنی فوجی مہمات کے تابع کر کے اسکی عسکری توجیہہ ناممکن بنا سکتے ہیں۔

تاہم تاریخ کی معاشی توجیہہ سے ہم ماضی کے مشاہدات کی روشنی میں مستقبل کے بارے میں کافی معلومات اخذ کر سکتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ حملہ آور وحشیوں کے مقابلہ میں روم کی سلطنت اس لئے کمزور ثابت ہوئی کیونکہ زرعی آبادی (کسانوں) کو زمینوں سے بے دخل کر کے امراء کی وسیع وعریض جاگیروں پر مفتوح علاقوں سے درآمد کردہ غلاموں سے کام لیا جانے لگا تھا یہ وہ کسان ہی تھے جو فوجوں کو سخت کوش اور اپنی زمین کے لئے لڑنے والے محبِ وطن جنگجو مہیا کرتے تھے ان کی بے دخلی سے فوج کے لئے موزوں افراد کی فراہمی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج کے دور میں چھوٹے کسانوں کی جدید زرعی مشینری کو منافع بخش طور پر استعمال کرنے سے معذوری زراعت کو سرمایہ دارانہ یا اشتمالی ملکیت کے تحت وسیع پیمانہ پر پیداوار کی طرف دھکیل رہی ہے کبھی یہ کہا جاتا تھا کہ "تمدن کھر پے والے انسان (کسان) کا طفیلی ہے "اب تو اس "کھر پے والے انسان" کا وجود ہی باقی نہیں رہا۔ اب تو وہ ٹریکٹر یا کمبائن (Combine) چلانے والا "ہاتھ" بن گیا ہے۔ زراعت ایک صنعت بن چکی ہے۔ اور اب تو جلد ہی کسان کو ان دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا کہ وہ ایک سرمایہ دار کا ملازم ہو یا ریاست کا۔

معاشیات کے حوالے سے تاریخ کا یہ کہنا ہے کہ

"جو لوگ انسانوں کے منتظم ہیں وہ درا صل ایسے لوگوں پر حکومت کرتے ہیں جو محض اشیاء کو قابو کر سکتے ہیں اور اسکے برعکس جو لوگ دولت کے منتظم ہیں وہ اشیاء اور لوگ سب کو قابو میں رکھتے ہیں"(۱)

اسی لئے بنکار، زراعت صنعت اور تجارت کے رجحانات پر نظر رکھتے ہوئے، سرمایہ کاری کی ترغیب دے کر اور اسکے بہاؤ کو متعین کر کے، ہمارے لگائے ہوئے سرمائے سے دُگنا کام لے کر، قرضوں، سود اور سرمایہ کاری کو کنٹرول کر کے، بڑے خطرات مول لے کر بے تحاشا منافع حاصل کرتے ہوئے، معاشی اہرام کی بلندی پر جا پہنچے ہیں۔ فلورنس کے مڈیچی (Medici) اور آگز برگ (Augs Burg) کے فگرز (Fuggers) سے لیکر پیرس اور لندن کے روتھس چائلڈز (Roths Childs) اور نیو یارک کے مارگنز (Morgans) تک حکومت کی کونسلوں میں، جنگی مہموں اور مذہبی تحریکوں کی معاشی مدد کرنے میں، اور بعض اوقات انقلاب کو بھڑکانے میں بینکاروں کا عمل دخل رہا ہے شائدان کی

۱۔ Will Durant, The Age of Louis XIV P-720

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

طاقت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ، قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا مطالعہ کرتے کرتے انہیں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ تاریخ کا رُجحان افراطِ زر کی طرف ہے۔ اور عقل مند لوگ کبھی دولت اکٹھی نہیں کرتے۔

ماضی کے تجربات اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہر معاشی نظام کو جلد یا بدیر افراد یا گروہوں کو پیداوار بڑھانے پر آمادہ کرنے کے لئے کسی نہ کسی منافع بخش محرک کا سہارا لینا پڑتا ہے اس معاملہ میں غلامی، جبر یا نظریاتی جوش وخروش جیسے نعم البدل انتہائی غیر سودمند، بہت زیادہ مہنگے اور نہایت ہی عارضی ثابت ہوئے ہیں۔

عام حالات میں انسان عموماً اپنی پیداواری صلاحیت کے حساب سے پرکھے جاتے ہیں۔ ماسوائے دوران جنگ کے جب اِنسانوں کی درجہ بندی اُن کی دوسروں کو تباہ کرنے کی اہلیت کے مطابق کی جاتی ہے۔

چونکہ انسان میں عملی صلاحیت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ نتیجتاً تقریباً تمام معاشروں میں عملی صلاحیتیں اکثر لوگوں کی ایک قلیل تعداد میں مجتمع ہو جاتی ہیں دولت کے ارتکاز کا عمل جو تاریخ میں بار بار دہرایا جاتا ہے صلاحیتوں کے اس اِرتکاز کا فطری نتیجہ ہے اگر دوسرے تمام عوامل یکساں رہیں تو دولت کے اِرتکاز کی شرح میں اخلاق اور قانون کی عطا کردہ معاشی آزادیوں کے تناسب سے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مطلق العنانیت میں ارتکاز دولت ایک وقت کے لئے کم ہوسکتا ہے۔ البتہ جمہوریت، جس میں زیادہ سے زیادہ آزادی میسر ہوتی ہے ارتکازِ دولت کے عمل کو تیز تر کر دیتی ہے، 1776ء سے پیشتر امریکن معاشرے میں ایک حد تک مساوات موجود تھی لیکن ہزار طرح کی جسمانی، ذہنی اور معاشی تفریقات کے باعث اب اُس کا وجود کہیں باقی نہیں رہا ہے۔ اور آج امیر ترین اور غریب ترین افراد کے درمیان معاشی تفاوت اس قدر زیادہ بڑھ گیا ہے کہ جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی ترقی یافتہ معاشروں میں اس ارتکازِ دولت سے ایسی صورتحال پیدا ہوسکتی ہے کہ بہت زیادہ غرباء کی عددی طاقت چند اُمراء کی صلاحیتی طاقت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے برابر آجائے۔اس غیر مستحکم توازن سے ایک بحرانی کیفیت جنم لیتی ہے جس کا مقابلہ کرنے کے لئے تاریخ مختلف طریقے وضع کرتی ہے کبھی دولت کی تقسیم ازسرنو کرنے کے لئے قوانین بنا کر اور کبھی انقلاب کے ذریعے غربت کو تقسیم کر کے۔

594 قبل مسیح میں ایتھنز میں پلوٹارک (Plutarch) کے بقول "غریب اور امیر کے درمیان دولت کا فرق اس قدر انتہا کو پہنچ چکا تھا کہ شہر ایک خطرناک صورت حال سے دوچار نظر آتا تھا۔اور مطلق العنان حکومت کے علاوہ اسے ہنگاموں سے بچانے کے کوئی اور ذرائع ممکن نظر نہیں آتے تھے"۔(۱)

غریبوں میں بغاوت کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے کیونکہ ان کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جارہی تھی۔سب ذرائع پیداوار اور حکومت اُمراء کے ہاتھ میں تھے اور بدعنوان عدالتیں غُرباء کے خلاف فیصلے کئے جارہی تھیں۔اُمراء جنہیں اپنی ملکیت اور دولت خطرے میں نظر آرہی تھی اپنی حفاظت کے لئے خون خرابے پر تیار تھے لیکن ابھی کچھ معقول عناصر موجود تھے لہٰذا ان میانہ رو لوگوں نے سولون (Solon) کو جو کہ اشرافیہ سلسلہء نسب کا ایک تاجر تھا حکمران اعلیٰ کے طور پر منتخب کرالیا۔سولون نے فوری طور پر سکے کی قیمت میں کمی کردی۔اسطرح سب مقروض لوگوں کا بوجھ ہلکا ہوگیا اگرچہ وہ خود بھی قرض خواہ تھا اس نے تمام نجی قرضے کم کر دیئے اور قرض کی بنا پر قید کا قانون ختم کردیا اسکے علاوہ اس نے ٹیکسوں کے بقایا جات اور رہن کا سود منسوخ کردیا۔اور انکم ٹیکس کی درجہ بندی کا نظام رائج کیا جس میں امیروں کو غریبوں کی نسبت بارہ گنا زیادہ شرح سے ٹیکس دینا پڑتا تھا۔سولون نے عدالتوں کی ازسرِنو تنظیم کر کے انہیں زیادہ عوامی بنیادوں پر استوار کیا۔اس نے یہ بھی انتظام کیا کہ جو لوگ ایتھنز کے لئے جنگ کرتے ہوئے مارے جائیں ان کے بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت حکومت کے خرچہ پر ہو۔ ان

۱۔Plutarch, Life of Solon

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اصلاحات پر امیروں نے احتجاج کیا کہ یہ بہت سخت اور دولت کی مکمل ضبطی کے مترادف ہیں۔ جبکہ انتہا پسندوں کا یہ شکوہ تھا کہ اس نے زمینیں از سر نو تقسیم نہیں کیں۔ لیکن ایک نسل گزرنے کے دوران ہی تقریباً سب لوگ اس بات پر متفق رہے کہ سولون کی اصلاحات نے ایتھنز کو انقلاب سے بچالیا تھا۔

جب اٹلی میں ارتکازِ دولت کا عمل ایک دھماکہ خیز سطح پر پہنچ چکا تھا تو رومن سینٹ نے جو اپنی دانائی کے لئے مشہور ہے غیر مصالحانہ رویہ اختیار کیا جس کا نتیجہ سو سال کی خانہ جنگی اور طبقاتی لڑائی کی صورت میں نکلا۔ طبقہ امراء کے ایک فرد ٹائبریس گریکس (Tiberius Gracchus) نے جسے کہ حکمران اعلیٰ (Tribune) منتخب کیا گیا تھا زمین کی حد ملکیت تین سو تینتیس ایکڑ فی شخص مقرر کر کے فالتو زمین دارالحکومت کے بے چین محنت کشوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی سینٹ نے اسکی تجاویز کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ تو جائیداد کی ضبطی کے مترادف ہیں۔ اس نے لوگوں سے ان لفظوں میں اپیل کی۔

"تم دولت اور آسائشات دوسروں کو دینے پر لڑتے اور مرتے ہو، تم دنیا کے آقا کہلاتے ہو، لیکن گز بھر زمین بھی ایسی نہیں جسے تم اپنی کہہ سکو"۔(۱)

رومی قوانین کے برعکس گریکس نے (Tribune) کے عہدہ پر دوبارہ منتخب ہونے کے لئے مہم چلائی۔ الیکشن کے دنوں کے ایک ہنگامے میں وہ قتل ہو گیا۔ اس کا بھائی کائیس (Caius) جس نے اس کی مہم جاری رکھی تشدد کو ابھرنے سے روکنے میں ناکام رہا اور اس نے اپنے نوکر کو اپنے آپ کو مارنے کا حکم دیا۔ نوکر نے اس کے حکم کی تعمیل میں اسے مار ڈالا پھر خود کو بھی ہلاک کر لیا۔ کائیس کے تین ہزار پیروکاروں کو سینٹ کے حکم کے تحت سزائے موت دے دی گئی۔ پھر ماریئس (Marius) عوام کا لیڈر بن گیا لیکن جب تحریک انقلاب کے مرحلے

۱۔ Plutarch. Tiberius

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر آن پہنچی تو اس نے دستبرداری اختیار کر لی کیٹیلائن (Catiline) نے تمام قرضے ختم کر دینے کی منظوری دی اور "بدقسمت مفلسوں" کی انقلابی فوج منظم کر لی لیکن اسے سیسرو (Cicero) کی شعلہ بیانی نے تباہ کر دیا اور وہ ریاست کے خلاف ایک لڑائی (62 قبل مسیح) میں مارا گیا جولیس سیزر نے متحارب قوتوں کے درمیان سمجھوتے کی کوشش کی لیکن پانچ سال کی خانہ جنگی کے بعد رومی اُمراء کے ہاتھوں مارا گیا مارک انطونی (Mark Antony) نے سیزر کی پالیسیوں کو اپنی ذاتی خواہشات اور رومانویت سے خلط ملط کر دیا۔ اوکٹویس (Octavius) نے اسے ایکٹیم (Actium) کے مقام پر شکست دے کر ایک نئی حکومت قائم کی جس کے باعث تقریباً دو صدیوں تک (30 قبل مسیح سے 180ء) رومی شہنشائیت کی سرحدوں کے اندر تمام طبقات اور ریاستوں کے درمیان امن و سکون قائم رہا۔ مغربی رومن سلطنت کے سیاسی استحکام کے خاتمے کے بعد 476ء میں کیتھولک کلیسا کی حکومت کے قیام کے لیے ضروری دولت کے ازسرِ نو مجتمع ہونے کے عمل میں بد حالی کی کئی صدیاں بیت گئیں۔ اصلاح پذیری کی تحریک (Reformation) ایک طرح سے جرمن اور انگریز قوموں کی کلیسا کو ادائیگیوں میں کمی اور کلیسائی جائداد و محاصل پر سیکولر تصرّف کے ذریعے دولت کی ازسرِ نو تقسیم کا عمل تھا۔ انقلابِ فرانس میں دیہی علاقوں کے کسانوں کی بغاوتوں اور شہروں میں قتل عام کے ذریعے دولت کی نئے سرے سے تقسیم کی کوشش کی گئی۔ لیکن اس انقلاب کے نتیجہ میں دولت اشرافیہ (Aristocracy) سے بورژوا طبقے کو منتقل ہوگئی۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حکومت نے 1933-52ء اور 1960-65ء میں سولون (Solon) کے پُر امن طریقے اپنا کر دولت کی معتدل پیمانے پر ازسرِ نو تقسیم مکمل کر لی۔ شائد ارباب اقتدار میں سے کسی نے تاریخ کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ امریکہ کے بالائی طبقات نے تقسیم دولت کے اس عمل کو طوعاً کرہاً قبول کر لیا اور نئے سرے سے مزید دولت اکٹھی کرنا شروع کر دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ارتکاز دولت فطری اور ناگزیر عمل ہے۔اس عمل میں وقتاً فوقتاً پر تشدد یا پر امن طور پر دولت کی از سر نو تقسیم کے باعث رکاوٹ پڑتی رہتی ہے۔اس نقطہ نظر سے تمام معاشی تاریخ سماجی نظام کے دل کی سست رو دھڑکن کی مانند ہے۔جس میں دولت کا مجتمع ہونا اور لازمی طور پر دوبارہ گردش میں آنا دل کے سکڑنے (Systole) اور اس کے پھیلنے (Diastole) کے عمل سے مشابہ ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نواں باب

سوشل اِزم اور تاریخ

سرمایہ واری کے خلاف سوشل اِزم کی جدّ وجہد اِرتکازِ دولت اور دولت کے پھیلاؤ کے تاریخی آہنگ کا ایک حصہ ہے۔ بلا شبہ نظام سرمایہ واری نے تاریخ میں بہت اہم تخلیقی کردار ادا کیا ہے۔ سرمایہ واروں نے اس نظام کے تحت لوگوں کی جمع پونجی منافع یا سود کے وعدے پر اکٹھی کر کے اسے پیداواری سرمائے کی شکل دی۔ یہ سرمایہ صنعت اور زراعت کو مشینی ذرائع استعمال کر کے ترقی دینے پر خرچ کیا گیا۔ سرمایہ دار نے اشیاء کی پیداوار اور تقسیم کاری کے عمل کو بہت بہتر بنایا جس کے نتیجے میں پیدا کرنے والوں سے صارفین تک اشیاء کا ایسا ہموار بہاؤ وجود میں آیا جس کی تاریخ میں پہلے مثال نہیں ملتی۔ علاوہ ازیں سرمایہ داروں نے شخصی آزادی کی روادارانہ تعلیمات کو اِس دلیل کے تحت اپنے حق میں استعمال کیا ہے کہ حکومت کے زیر انتظام چلنے والی صنعتوں کی نسبت جو کہ طلب و رسد کے قوانین سے بڑی حد تک مُستثنیٰ ہوتی ہیں۔ کاروباری لوگ عوام کو بہتر خوراک، رہائش اور آسائشات و تفریحات فراہم کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان کو محصولات اور قانونی پابندیوں سے قدرے آزادی مہیا کر دی جائے۔ آزادانہ سرمایہ کاری کے نظام میں مقابلے کی فضا اور ملکیت کا جوش و خروش انسانوں کی پیداواری صلاحیتوں اور جدّت طرازی کو جلا بخشتے ہیں۔ صلاحیتوں کے تنوع اور ہنر مندی کے قدرتی انتخاب کے باعث تقریباً ہر طرح کی معاشی صلاحیت رکھنے والوں کو اس نظام میں جلد یا بدیر اپنا موزوں مقام اور مناسب معاوضہ مل جاتا ہے۔ پھر سرمایہ کاری کا عمل درحقیقت جمہوریت کے تابع ہوتا ہے کیونکہ جہاں تک اشیاء کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیداوار یا خدمات کی فراہمی کا تعلق ہے یہاں ان کا تعین حکومتی احکام کی بجائے عوام کی طلب سے کیا جاتا ہے۔ مزید برآں مقابلہ کی فضا کے باعث سرمایہ دار بہت زیادہ محنت کرنے اور اپنی مصنوعات کو ہر طور بہتر سے بہتر بناتے رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اوپر کئے گئے اِن دعووں میں بہت حد تک صداقت ہے۔لیکن نظام سرمایہ داری کے حامی اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں کرتے کہ اگر یہ نظام اس قدر فطری اور بہتر ہے تو تاریخ صنعت کاروں کے تسلط، قیمتوں کی اجارہ داری، کاروباری فریب سازی اور بے محابا دولت کے باعث پیدا ہونے والی برائیوں کے خلاف بے شمار بغاوتوں اور وسیع پیمانے پر احتجاج سے کیوں بھری پڑی ہے؟

نظام سرمایہ داری کی یہ برائیاں زمانہ قدیم سے ہی موجود رہی ہیں کیونکہ انہی کے رَدِّ عمل کے طور پر بہت سے ملکوں میں اور کئی صدیوں سے سوشلسٹ تجربات ہو رہے ہیں۔ ہم نے پڑھا ہے کہ سمیریا (Sumeria) میں تقریباً 1200 قبل مسیح میں ''معیشت کا انتظام ریاست کے سپرد تھا۔ آبپاشی کے قابل ساری زمین حکومت کی ملکیت تھی۔ مزدوروں کو شاہی گوداموں میں جمع شدہ غلے سے راشن ملتا تھا اس وسیع سرکاری معیشت کے انتظام کے لئے درجہ بندی پر مبنی دفتری نظام قائم کیا گیا تھا۔ اور ساری وصولیوں اور راشن کی تقسیم کا حساب رکھا جاتا تھا ہزاروں کی تعداد میں مٹی کی تختیاں جن پر یہ حسابات درج تھے دارالحکومت اُر (Ur) لاگاش (Lagash) اور اما (Umma) سے دستیاب ہوئیں بیرونی تجارت بھی مرکزی انتظامیہ کے کنٹرول میں تھی''۔(۱)

بابل میں 1750 قبل مسیح میں حمورابی (Hammrurabi) کے ضابطۂ قانون کے مطابق چرواہوں اور کاریگروں کی اجرتیں اور جراحی کے لئے طبیبوں کے معاوضے مقرر تھے۔

Encyclopedia, Britannica II 962 b-۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصر کے بادشاہوں ٹال میز (Ptolemies) کے دورِ حکومت میں زمین ریاست کی ملکیت تھی اور حکومت زراعت کا انتظام چلاتی تھی۔ کسانوں کو اس امر کی ہدایات کی جاتی تھیں کہ انہوں نے کونسی زمین جوتنی ہے، کیا فصل اگانی ہے۔ اس فصل کی باقاعدہ پیمائش ہوتی اور اسکا سرکاری کھاتوں میں اندراج کیا جاتا۔ اس فصل کی گہائی سرکاری کھلیان گھروں میں ہوتی اور وہاں سے مزدور ملازمین اسے شاہی غلہ گوداموں میں منتقل کر دیتے۔ کانیں حکومت کی ملکیت تھیں اور معدنیات کی کھدائی بھی ریاست کے ذمہ تھی۔ حکومت نے تیل، نمک، پیپرس اور کپڑے کی پیداوار اور فروخت کو بھی قومیا لیا تھا۔ دیگر تمام تجارت حکومت کے تابع اور اسکے کنٹرول میں تھی۔ اکثر خوردہ تجارت کا انتظام بھی حکومت کے کارندوں کے ہاتھ میں تھا جو حکومت کی پیدا کردہ اشیاء فروخت کرتے تھے۔

بنکاری پر حکومت کی اجارہ داری تھی لیکن عملی انتظام نجی فرموں کے سپرد تھا۔ پیداوار فروخت اور قانونی دستاویزات کی تحریر پر ٹیکس نافذ تھے۔ قابل ٹیکس آمدنیوں اور معاہدوں سے باخبر رہنے کے لئے حکومت نے ذاتی آمدنی اور جائیداد کے اندراج کے ایک پیچیدہ نظام کے علاوہ منشیوں اور کاتبوں کا ایک جم غفیر بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نظام کے محاصل نے ٹالمیز کی سلطنت کو اپنے وقت کی امیر ترین ریاست بنا دیا۔ اس عہد میں انجینئرنگ کے عظیم الشان منصوبے مکمل کیے گئے۔ زراعت کو ترقی دی گئی اور آمدنی کا ایک بڑا حصہ ملک کی تزئین و آرائش اور ثقافتی ترقی پر خرچ کیا جاتا تھا۔ تقریباً 290 قبل مسیح میں سکندریہ کے مشہور عجائب گھر اور کتب خانے کی بنیاد رکھی گئی۔ سائنس اور ادب اپنے عروج پر تھے اسی دور حکومت میں ہی کچھ علماء نے عہد نامہ قدیم کی ابتدائی پانچ کتابوں (Pentateuch) کا یونانی زبان میں ترجمہ (Septuagint) کے نام سے کیا۔

تاہم جلد ہی یہ بادشاہ جنگ و جدل میں مصروف ہو گئے۔ اور 246 قبل مسیح کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعدانہوں نے عیش وعشرت اور شراب نوشی میں پڑ کر انتظام سلطنت اور معیشت کو ایسے بدعنوان اور ظالم اہلکاروں کے ہاتھوں میں جانے دیا جنہوں نے غرباء سے اُن کی کمائی کا آخری پیسہ تک نچوڑ لیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ حکومتی استحصال بڑھ گیا۔ ہڑتالوں اور تشدد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ دارالحکومت سکندریہ میں عام آبادی کو خیرات و بخشش کی رشوت دیکر اور مختلف تقاریب میں مصروف رکھا جاتا تا کہ وہ پرامن رہیں۔ لیکن ساتھ ہی ایک بڑی فوج ان کی نگرانی پر بھی متعین تھی۔ عوام کا حکومتی معاملات میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ بالآخر انہوں نے ایک مشتعل ہجوم کی صورت اختیار کر لی۔ چونکہ لوگوں کے لئے پیداوار بڑھانے کے کوئی محرکات موجود نہیں تھے اس لئے زراعت اور صنعت تباہ ہو کر رہ گئیں۔ اخلاقی بے راہ روی عام ہو گئی۔ اور ملک میں امن وامان اور نظم وضبط اس وقت بحال ہوا جب 30 قبل مسیح میں اوکٹو یئس (Octovius) نے حملہ کر کے مصر کو رومی سلطنت میں شامل کر لیا۔

روم میں بھی ڈایا کلیشن (Diocletion) کے دورِ حکومت میں کچھ عرصہ سوشلسٹ نظام رائج رہا۔ عوام میں بڑھتی ہوئی غربت و بے چینی اور وحشیوں کے حملہ کے فوری خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے 301ء میں ایک حکم کے ذریعے اشیاء کی چور بازاری کی ممانعت کر دی۔ تمام اہم اشیاء اور خدمات کے لئے زیادہ سے زیادہ قیمتیں اور معاوضے مقرر کر دیئے گئے۔ بے روزگاروں کو کام مہیا کرنے کے لئے وسیع پیمانہ پر رفاہ عام کی تعمیرات شروع کر دی گئیں۔ غریبوں کے لئے خوراک مفت یا کم قیمت پر مہیا کرنے کا انتظام کیا گیا۔ حکومت نے جو کہ پہلے ہی معدنیات، قیمتی پتھروں اور نمک کی کانوں کی مالک تھی اب بڑی صنعتوں اور کارگاہوں کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ پال لوئیس کے بقول۔۔۔ "ہر بڑے شہر میں ریاست نے ایک ایسے طاقتور آجر کی حیثیت اختیار کر لی جو بھاری ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے صنعت کاروں کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہتر پوزیشن میں تھی''۔(۱)

جب سرمایہ داروں نے اپنی تباہی کا رونا رویا تو ڈایاکلیشن نے وضاحت کردی کہ وحشی حملہ آور سر پر ہیں اور جب تک اجتماعی آزادی کو محفوظ نہ بنالیا جائے اسوقت تک انفرادی آزادی کو فراموش ہی کر دینا ہوگا ڈایاکلیشن کا سوشل ازم جو کہ ایک جنگی معیشت تھی صرف بیرونی حملے کے خوف کے باعث ممکن ہو سکا (اگر دوسرے تمام عوامل یکساں رہیں) اندرونی آزادی بیرونی خطرات کے بڑھنے کے ساتھ کم ہوتی جاتی ہے۔

معاشی طور پر لوگوں پر قابو پانا ڈایاکلیشن (Diocletion) کی وسعت پذیر، مہنگی اور بدعنوان افسر شاہی کے لئے بہت کڑا مرحلہ ثابت ہوا۔ اس وسیع کاروبارِ سلطنت جو کہ فوج، عدلیہ، رفاہ عامہ کی تعمیرات اور خیرات و بخشش پر مبنی تھا، کے اخراجات پورے کرنے کے لئے اس قدر زیادہ ٹیکس لگائے گئے کہ لوگوں کو کام کرنے اور کمانے کی کوئی رغبت نہ رہی اور ٹیکس بچانے کے نت نئے طریقے تلاش کرنے والے وکلاء اور ٹیکس چوری کو روکنے کے لئے قوانین بنانے والے وکلاء کے درمیان ایک تباہ کن جنگ شروع ہوگئی۔ ٹیکس کی ادائیگی سے بچنے کی خاطر ہزاروں رومی باشندوں نے ملک سے فرار ہو کر وحشیوں (Barbarians) کے پاس پناہ لے لی۔ اس فرار کو روکنے اور ٹیکسوں کے قوانین میں نرمی پیدا کرنے کی خاطر حکومت نے احکامات جاری کر دیئے۔ جن کے تحت تمام قرضوں اور ٹیکسوں کی مکمل ادائیگی تک ہر کسان اپنے کھیت اور ہر کاریگر اپنی دوکان سے منسلک رہنے کا پابند تھا اس پابندی اور کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر قرون وسطیٰ کے زرعی غلاموں کے نظام (Serfdom) کا آغاز ہوا۔

چین میں ریاستی سوشل ازم کے قیام کی کئی بار کوششیں ہو چکی ہیں زوماچائین (Szumachien) (145 قبل مسیح) بتاتا ہے کہ ''پہاڑوں اور سمندروں کے خزانوں پر نجی

۱۔ Paul Louis, Ancient Rome at work P-283-285

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجارہ داری کے خاتمے کے لئے اور نچلے طبقات کو امراء کے استحصال سے بچانے کی خاطر" شہنشاہ ووٹی (Wuti)(140 قبل مسیح سے 87 ق م) نے زمین کے تمام وسائل قومی ملکیت میں لے لئے ذرائع آمدورفت اور تجارت پر حکومتی پابندیاں عائد کر دیں۔ آمدنیوں پر ٹیکس لگائے اور رفاہ عامہ کے لئے تعمیرات کروائیں۔ جن میں نہریں بھی شامل تھیں جو کہ دریاؤں کو آپس میں ملاتی اور کھیتوں کو سیراب کرتی تھیں۔ حکومت اشیاء کا ذخیرہ کر لیتی۔ جب چیزوں کی قلت کے باعث قیمتوں میں اضافہ کا رجحان ہونے لگتا تو یہ سرکاری ذخائر بازار میں لائے جاتے۔ اسی طرح جب اشیاء کی افراط کے باعث قیمتیں کم ہو رہی ہوتیں تو سرکاری ذخائر کے لئے خریداری کر لی جاتی اس طرح بقول زوماچائین۔

"امیر سوداگروں اور بڑے دُکانداروں کو زیادہ منافع کمانے سے باز رکھا جاتا ۔۔۔ اور سلطنت میں اشیاء کی قیمتوں میں باقاعدگی پیدا کی جاتی تھی۔"

کہا جاتا ہے کہ اس دور میں چین جتنا خوشحال تھا اس سے پہلے کبھی نہ رہا تھا۔

شہنشاہ کی موت کے بعد یہ تجربہ انسانی شیطانیت اور "خدائی اعمال" یعنی جنگوں اور وباؤں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ کبھی سیلابوں اور کہیں قحط سالیوں کی بدولت اشیاء کی بے حد قلت ہو گئی اور قیمتوں میں اضافے پر قابو پانا ممکن نہ رہا۔ کاروباری لوگ اس بات پر واویلا کرنے لگے کہ ٹیکسوں کی ادائیگی کے ذریعے انہیں سُست اور نااہل افراد کی کفالت کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ضروریات زندگی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے خوفزدہ ہو کر غریب لوگ بھی پرانے طرزِ معیشت کی بحالی کے لئے امیروں کے ساتھ مل کر احتجاج کرنے لگے۔ بلکہ کچھ لوگوں نے تو یہ تجویز بھی دی کہ اس نئے نظام کے پیش کرنے والے کو بطور سزا زندہ ابالا جائے۔ یہ تمام اصلاحات بالآخر ایک ایک کر کے واپس لے لی گئیں۔ اور جب ایک چینی فلسفی بادشاہ وانگ منگ نے ان اصلاحات کا دوبارہ اجراء کیا تو اس وقت یہ تقریباً فراموش کی جا چکی تھیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وانگ منگ (Wang Mang) جس کا عہد حکومت 9ء سے 23ء تک تھا خود ایک بہت بڑا عالم اور علم وادب کی سرپرستی کرنے والا تھا اس نے اپنی دولت اپنے دوستوں اور غریبوں میں بانٹ دی تھی۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے ادب سائنس اور فلسفہ کے ماہرین اپنے اردگرد اکٹھے کر لئے۔ اس نے زمین کو قومی ملکیت میں لے لیا اور اسے کسانوں میں تقسیم کر دیا اور غلامی کا خاتمہ کر دیا۔ ووٹی (Wuti) کی طرح وانگ منگ نے بھی اشیاء کا ذخیرہ کر کے یا انہیں عام کر کے قیمتوں پر قابو پانے کی کوششیں کیں۔ اس کے نافذ کردہ قوانین کے باعث جن گروہوں کے منافع پر زد پڑی تھی وہ اسے تخت سے اتارنے کی سازش کے لئے متحد ہو گئے۔ خشک سالی، سیلابوں اور بیرونی حملوں کے باعث حالات سازشیوں کے لئے مزید سازگار ہو گئے۔ لیو خاندان (Liu) کی سربراہی میں عام بغاوت ہوئی وانگ منگ قتل ہو گیا اور اسکے بنائے قوانین منسوخ ہو گئے سب کچھ پھر پہلے کی طرح ہو گیا۔

اس کے ہزار سال بعد وانگ ان شیہ (Wang an Shih) نے بحیثیت وزیراعظم چینی معیشت پر ہمہ گیر حکومتی بالادستی قائم کرنے کا بیڑہ اٹھایا اس کا موقف یہ تھا۔

"مزدور طبقوں کی امداد واعانت کے لئے اور انہیں امیروں کے ہاتھوں میں بالکل جانے سے بچانے کی خاطر ریاست کو تجارت، صنعت اور زراعت کا تمام انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لینا چاہیے۔" (1)

اس نے کم شرح سود پر قرضے دیکر کسانوں کو رقم ادھار دینے والوں کے پنجے سے آزاد کرایا۔ نئے آباد کاروں کی حوصلہ افزائی کی خاطر انہیں بیج اور دوسری امداد بطور پیشگی دی۔ جس کی ادائیگی بعد میں انکی زمینوں کی پیداوار سے کی جانی تھی۔ اس نے سیلابوں پر قابو پانے اور بے روزگاری کے خاتمہ کے لئے بڑے بڑے تعمیراتی منصوبے بنائے۔ ہر ضلع میں قیمتوں

1- Gowen and Hall _ Outline, History of China P-142

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور معاوضوں کو باقاعدہ بنانے کے لئے تنظیمیں بنائی گئیں تجارت کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا ضعیفوں، بے روزگاروں اور غریبوں کو مالی امداد مہیا کی جاتی تھی۔ تعلیم اور امتحانی نظام جس کے ذریعے حکومتی دفاتر کے لئے عہدیداروں کا انتخاب ہوتا تھا کی اصلاح کی گئی۔ ایک چینی مورخ لکھتا ہے۔

"طالب علموں نے زبان دانی وفصاحت کے بارے میں درسی کتب کو چھوڑ کر تاریخ ،جغرافیہ اور سیاسی معیشت کا مطالعہ شروع کر دیا"۔

وزیراعظم وانگ این شیہ کے اس تجربے کی ناکامی کی وجوہات کیا تھیں؟

پہلی وجہ تو سرکاری ملازمین کی کثیر تعداد کے اخراجات پورا کرنے کے لئے لگائے گئے بھاری ٹیکس تھے۔ دوسری وجہ وحشیوں کے حملوں کی روک تھام کے لئے فوج میں اضافہ کی خاطر ہر خاندان میں سے ایک مرد کی جبری بھرتی تھی۔ افسر شاہی کی بدعنوانی اس تجربے کی ناکامی کی تیسری وجہ تھی۔ دوسری اقوام کی طرح چین کو بھی نجی شعبہ کی لوٹ مار یا سرکاری شعبہ کی رشوت خوری میں سے کسی ایک برائی کو منتخب کرنا تھا قدامت پرست جن کی قیادت وانگ این شیہ کا بھائی کر رہا تھا۔ یہ دلیل دیتے تھے کہ انسانوں کی بدعنوانی سے رغبت اور نااہلیت کے باعث صنعت و تجارت پر حکومتی کنٹرول ناقابل عمل ہے اور آزادانہ مقابلے کا نظام (Laissez-Fiare) ہی بہترین نظام معیشت ہے کیونکہ یہ انسان کے فطری جذبات پر انحصار کرتا ہے۔ امراء اپنی دولت پر عائد بھاری ٹیکسوں اور تجارت پر حکومت کی اجارہ داری کے باعث پہلے ہی ناخوش تھے انہوں نے اپنے وسائل اس نئے نظام کو بدنام کرنے، اسکے نفاذ میں رکاوٹ ڈالنے اور اسکو ختم کرنے کی مہم کے لئے وقف کر دیئے۔ یہ منظم تحریک شہنشاہ پر وزیراعظم کی برطرفی کے لئے مستقل دباؤ ڈالتی رہی اور جب خشک سالی اور سیلابوں کے دور کے ساتھ ایک خوفناک دمدار ستارے کا ظہور بھی ہونے لگا تو آسمان کے بیٹے شہنشاہ نے وانگ این شیہ کو برطرف کر دیا۔ اسکے احکامات منسوخ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کر دیئے اور اقتدار مخالفین کو سونپ دیا۔

تاریخ میں سوشل اِزم کا طویل ترین دور تیرھویں صدی کے دوران اِنکا قبائل (Incas) میں امریکہ کے ملک پیرو (Peru) میں رہا ہے۔ اس نظام حکومت کی بنیاد اس مقبول عام عقیدے پر تھی کہ زمینی بادشاہ سورج دیوتا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اِنکا لوگوں نے زراعت، تجارت اور حرفت کو مُنظم طریقے پر اِستوار کیا۔ حکومت سب افراد، اسباب اور آمدنی کا حساب رکھتی تھی۔ سڑکوں کا بہترین نظام موجود تھا جس کو استعمال کر کے پیشہ ور "قاصد" سلسلہ مواصلات قائم رکھتے تھے جو کہ وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی آبادی کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے ناگزیر تھا۔ ہر شخص ریاست کا ملازم تھا چونکہ حکومت ہر فرد کے تحفظ اور پرورش کی ذمہ دار تھی اس لئے عوام نے حکومت کی اطاعت و ملازمت خوشدلی سے قبول کی ہوئی تھی 1533ء میں پیزارو (Pizarro) کے ہاتھوں پیرو کی فتح کے ساتھ ہی اس نظام کا خاتمہ ہو گیا۔

جنوبی امریکہ میں ہی دریائے یوراگوئے کے ساتھ ایک پرتگیزی نو آبادی میں ایک سو پچاس پادریوں نے دو لاکھ مقامی باشندوں (Indians) کو منظم کر کے ایک سوشلسٹ معاشرہ تشکیل دیا جو 1620ء سے 1750ء تک قائم رہا۔ حکمران پیشواؤں نے تقریباً تمام زراعت، تجارت اور صنعت کا انتظام سنبھالا ہوا تھا۔ ہر نوجوان کو ان تمام پیشوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی اجازت تھی جو انتظامیہ کے لوگ انہیں سکھاتے تھے البتہ ہر صحت مند شخص کے لئے آٹھ گھنٹے روزانہ کام کرنا ضروری تھا۔ حکومت لوگوں کو تفریحات مہیا کرتی اور ان کے لئے کھیلوں کا انتظام بھی کرتی۔ ناچ اور ہزاروں لوگوں کے مل کر گانے کا بندوبست بھی کیا جاتا۔ آرکسٹرا یورپی موسیقی بجاتے تھے۔ جس کی انہیں باقاعدہ تربیت دی جاری تھی۔ مذہبی پیشوا اساتذہ، ڈاکٹروں اور مصنفین کے فرائض انجام دیا کرتے۔ اور ان کا اپنا ضابطہ قانون بھی موجود تھا جس میں سزائے موت شامل نہیں تھی مقامی لوگ ہر لحاظ سے مطمئن اور پرامن تھے۔ جب ان لوگوں پر حملہ ہوا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

انہوں نے اپنا دفاع اسقدر حوصلے اور خوبی سے کیا کہ حملہ آور بھی حیران رہ گئے۔ 1750ء میں ان سات "مسیحی" نو آبادیوں سمیت یہ سارا علاقہ سپین کے سپرد کر دیا جب ان نو آبادیوں کی زمینوں میں سونے کی موجودگی کی افواہ پھیلی تو سپین کی حکومت نے یہاں پر فوری قبضہ کے لئے اصرار کیا پومبال (Pombal) کی سربراہی میں جس کے تعلقات ان پادریوں سے اسوقت کشیدہ تھے پرتگالی حکومت نے پادریوں اور مقامی لوگوں کو یہ علاقہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ مقامی باشندوں (Indians) نے کچھ دیر مزاحمت کی سوشل اِزم کا یہ تجربہ بھی اختتام کو پہنچا۔

جرمنی میں پروٹسٹنٹ اصلاح پذیری کی تحریک (Protestant Reformation) سے پیدا ہونے والے سماجی انقلاب کے دوران کئی باغی رہنماؤں نے بائبل کی تعلیمات پر مبنی اِشترا کی تعلیمات کا پرچار شروع کر دیا۔ ایک مبلّغ تھامس منذر (Thomas Munzer) نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ شہزادوں، مذہبی رہنماؤں اور سرمایہ داروں کا تختہ الٹ کر ایک ایسا "پاکیزہ معاشرہ" قائم کریں جس میں سب چیزیں مشترکہ ملکیت ہوں۔ اس نے کسانوں کی فوج بھرتی کر لی اور کتابِ مقدس میں موجود اشترا کی تعلیمات و واقعات سے ان میں جوش و ولولہ پیدا کر کے انہیں لڑنے مرنے پر آمادہ کر لیا۔

1525ء میں منذر کے گروہ کو شکست ہوئی ان کے پانچ ہزار افراد قتل ہو گئے اور وہ خود بھی مارا گیا۔ ہانس ہَٹ (Hans Hut) نے منذر کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر آسٹرلٹز (Austerlitz) کے مقام پر اینابپٹسٹ (Anabaptist) فرقے کی تنظیم کی جو 1530ء سے 1622ء تک تقریباً ایک صدی کیمونزم کے اصولوں پر عمل پیرا رہا۔ اینابپٹسٹ فرقے کے ایک گروہ نے لیڈن کے جان (John of Leiden) کی سربراہی میں ویسٹ فالیا (West Phalia) کے دارالحکومت منسٹر (Munster) پر قبضہ کر کے وہیں چودہ ماہ تک کیمونسٹ نظامِ حکومت قائم رکھا۔ (1534ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سترھویں صدی میں انگلستان میں کرام ویل (Crom Well) کی فوج کے ایک مساواتی گروپ (Levellers) نے اس سے وہاں ایک اِشتراکی ریاست قائم کرنے کی درخواست کی جو کرام ویل نے قبول نہ کی۔ ترویجِ مذہب (Restoration) کی تحریک کے دنوں میں سوشل ازم کی احتجاجی آواز قدرے دَب گئی لیکن جب صنعتی انقلاب کے ابتدائی دور میں سرمایہ داری کا لالچ اور ظلم بچوں اور عورتوں سے بے تحاشا کام لینے، لمبے اوقات کار، کم معاوضوں اور بیماریاں پھیلانے والی فیکٹریوں اور گندی بستیوں کی صورت میں بے نقاب ہوا، تو سوشلسٹ احتجاج میں پھر شدت آگئی۔

کارل مارکس (Karl Marx) اور فریڈرک اینگلز (Friedrich Engels) نے 1847ء کے کمیونسٹ مینی فیسٹو (Communist Menifesto) کی صورت میں کمیونسٹ تحریک کا "میگنا کارٹا" (Magna Carta) اور داس کیپٹل (Das Kapital) کی شکل میں اس کا ضابطہ عمل پیش کیا۔ انہیں یہ توقع تھی کہ سوشل ازم سب سے پہلے انگلستان میں نافذ العمل ہوگا۔ کیونکہ یہاں صنعت سب ملکوں سے زیادہ ترقی یافتہ تھی اور یہ مرکزیت پر مبنی انتظام کے ایسے دور میں داخل ہو چکی تھی جہاں حکومتی تصرّف ناگزیر ہوتا ہے۔ ان کی توقعات کے برعکس کمیونزم کا آغاز سب سے پہلے روس میں ہوا۔ تاہم اس وقت تک وہ اس اَمر پر حیرانی کا اظہار کرنے کے لئے زندہ نہیں رہے تھے۔

جدید دور میں سوشل اِزم روس میں کیوں سب سے پہلے آیا جبکہ وہاں سرمایہ داری ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھی اور وہاں بڑی بڑی کمپنیاں بھی نہیں تھیں جن کی موجودگی کے باعث ریاستی کنٹرول جیسی بڑی تبدیلی کے لئے راہ قدرے ہموار ہو جاتی؟

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صدیوں پر محیط کسانوں کی غربت اور تعلیم یافتہ طبقہ کی بے چینی اس انقلاب کی وجوہات ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن کسان تو 1861ء میں زرعی غلامی سے آزاد ہو گئے تھے اور اُنکی غربت و بے چینی کا نتیجہ نکلنے میں اسقدر تاخیر قابلِ یقین بات نہیں ہے۔اسی طرح تعلیم یافتہ اور دانشور طبقہ تو انارکسزم (Anarchism) کی جانب مائل تھا جو کہ سب کچھ قبضے میں کر لینے والی سوشلسٹ ریاست کے بالکل برعکس نظریہ ہے اس لئے تعلیم یافتہ طبقے کی بے چینی کا عنصر بھی اس انقلاب کی وجہ نہیں بنا۔

شائد 1917ء کے انقلاب روس کی کامیابی کی وجوہات یہ تھیں کہ زار کی حکومت جنگ میں ناکامی اور بد انتظامی کے باعث شکست خوردہ اور رسوا ہو چکی تھی۔روسی معیشت ابتری کا شکار ہو کر بالکل تباہی کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔کسان محاذ جنگ سے واپسی پر اسلحہ ساتھ لے آئے تھے۔اور لینن اور ٹراٹسکی کو جرمنی کی حکومت نے ہر قسم کی سہولیات بہم پہنچائی تھیں۔

اس انقلاب نے اِشتمالی صورت اس بنا پر اختیار کی کہ نئی ریاست کو اندرونی خلفشار اور بیرونی حملے کا چیلنج درپیش تھا۔عوام کا ردعمل اس مرحلے پر وہی ہوا جو کسی بھی ہنگامی صورتحال کی شکار قوم کا ہو سکتا ہے انہوں نے نظم وضبط کی بحالی اور دفائی استحکام ہونے تک اپنی انفرادی آزادیاں بالائے طاق رکھدیں۔یہاں بھی کمیونزم (اِس دوران) جنگ کی معیشت (War Economy) کے طور پر ہی روبہ عمل رہا ہے۔اور شائد جنگ کے مسلسل خوف کے باعث ہی یہ نظام قائم ہے۔اگر ایک نسل تک اُمن قائم رہے تو اس بات کا امکان ہے کہ انسانی فطرت کے ہاتھوں اس نظام کی بیخ کنی ہو جائے گی۔

روس میں سوشلسٹ نظام کو پیداواری طور پر زیادہ متحرک اور فعال بنانے اور اپنے عوام کو زیادہ ذہنی وجسمانی آزادیاں دینے کی خاطر اب اِنفرادی محرکات کی بحالی کا عمل شروع ہو چکا ہے۔دوسری طرف نظام سرمایہ داری میں بھی نیم اشتراکی قانون سازی کے ذریعے انفرادی طور پر حصول دولت کے مواقعوں کو محدود کر کے اور ''فلاحی ریاست'' کے تصور کو عملی شکل دے کر دولت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ازسرِنو تقسیم کا دور دورہ ہے۔ مارکس کو ہیگل (Hegel) کا نافرمان شاگرد کہا جاتا ہے اس نے ہیگل کی جدلیات کی توجیہہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان جدوجہد اشتراکیت کی مکمل فتح پر منتج ہوگی لیکن اگر ہیگل کے تھیسس (Thesis) انٹی تھیسس (Anti Thesis) اور سنتھیسس (Synthesis) کے فارمولے کا اطلاق اسطرح کریں کہ صنعتی انقلاب کو تھیسس اور سرمایہ داری بمقابلہ سوشلزم کو انٹی تھیسس سمجھا جائے تو تیسری صورت سرمایہ داری اور سوشل ازم کا مرکب (Synthesis) ہوگی۔

مغربی دنیا بظاہر اسی مصالحت کی جانب گامزن ہے۔ سال بہ سال اپنے ملکوں کی معیشت میں مغربی حکومتوں کا عمل دخل بڑھتا جاتا ہے اور نجی شعبے کا حصہ کم ہوتا جاتا ہے۔ نظام سرمایہ داری ذاتی ملکیت، مقابلہ اور سرمایہ کاری کی آزادی جیسے محرکات کو برقرار رکھے ہوئے ہے اور اسی باعث اشیاء کی کثیر مقدار پیدا کرتا ہے جبکہ بالائی طبقات پر بھاری ٹیکسوں کی بدولت حکومت تعلیم صحت، اور تفریح کے میدانوں میں عوام کی اکثریت کو ایسی سہولتیں فراہم کررہی ہے جن کی اس سے پیشتر کوئی مثال نہیں ملتی۔

نظام سرمایہ داری کے خوف سے سوشل اِزم لوگوں کو زیادہ آزادی دینے پر مجبور ہوگیا ہے۔ جبکہ سوشل اِزم کے ڈر سے سرمایہ داری نظام مساوات بڑھانے پر مجبور ہے۔ اب مشرق مغرب بن گیا ہے اور مغرب مشرق میں بدل گیا ہے جلد ہی دونوں ایک ہوجائیں گے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دسواں باب

طرزِ حکومت اور تاریخ

الیگزینڈر پوپ (Alexander Pop) کا خیال تھا کہ حکومت کی مختلف اقسام کے بارے میں بحث یا اختلاف کرنا محض احمقانہ بات ہے۔ تاہم تاریخ عمومی طور پر حکومت اور اس کی سب اقسام کے بارے میں بہت کچھ بتاتی ہے۔ انسانوں کو آزادی سے پیار ہے۔ اور معاشرے میں افراد کی آزادی کے لئے طرزِ عمل کی مخصوص باقاعدگی درکار ہوتی ہے۔ کیونکہ آزادی کی پہلی شرط ہی اس کا محدود ہونا ہے، اسی لئے حکومت کی سب سے اہم ذمہ داری نظم و ضبط قائم کرنا ہے۔ ایک منظم مرکزی قوت ہی بے شمار منتشر قوتوں کا واحد نعم البدل ہے۔ طاقت فطرتاً ایک مرکز پر مجتمع ہو جاتی ہے کیونکہ جب تک یہ منقسم، منتشر اور کمزور رہے تو یہ غیر موثر ہوتی ہے جس طرح کہ پولینڈ (Poland) میں طوائف الملوکیت (Liberum Veto) کے دور میں رہی ہے۔ اسی باعث بسمارک (Bismarck) یا رچی لیو (Richelieu) کے نظام شہنشاہیت کے تحت طاقت کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے عمل کو مورخین نے عموماً سراہا ہے۔ گرچہ اس دور کے نوابوں اور جاگیرداروں نے اس عمل کی پرزور مخالفت کی تھی۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں قومی معیشت کو ریاستوں کی حدود کو نظر انداز کر کے کسی مرکزی ادارے کے ذریعے ہی کنٹرول کیا جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں "ریاستوں کے حقوق" و خود مختاری کا ذکر بالکل بے معنی دکھائی دیتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج جب صنعت، تجارت اور مالیات ملکی سرحدوں کو عبور کر کے بین الاقوامی حیثیت اختیار کر رہی ہیں تو بین الاقوامی حکومت کا تصور ایک حقیقت دکھائی دینے لگا ہے۔

بظاہر بادشاہت حکومت کی سب سے زیادہ فطری شکل محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ نظام بادشاہت کا اطلاق کسی ملک وقوم پر بالکل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ایک خاندان میں باپ کے اختیارات یا ایک جنگجو گروہ میں سردار کا اقتدار۔ اگر ہم نظام ہائے حکومت کے بہتر ہونے کا معیار تاریخ میں ان کی طوالت اور پھیلاؤ کو قرار دیں تو فیصلہ بلاشبہ بادشاہت کے حق میں ہوگا۔ اس کے برعکس جمہوریت تو بادشاہت کے درمیانی وقفوں میں تھوڑے عرصہ کے لئے رائج رہی ہے۔

گراچی (Garachi)، ماریس (Marius)، اور سیزر (Caesar) کے عہد کی طبقاتی جنگوں کے باعث رومن جمہوریت کے زوال کے بعد آگسٹس (Augustus) نے جو حکومت قائم کی اسکی بنیاد نظام بادشاہی ہی تھا۔ یہ نظامِ حکومت (Romana Pax) جس نے بحر اوقیانوس سے دریائے فرات اور سکاٹ لینڈ سے بحیرہ اسود تک پھیلی ہوئی سلطنت میں دو سو سال تک (30 ق م سے 180ء) امن قائم رکھا، جہانبانی کی تاریخ کا عظیم ترین کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ آگسٹس کے بعد آنے والے حکمران کالیگولا (Caligula)، نیرو (Neru)، اور ڈومیشن (Domitian) بادشاہت کے نام پر دھبہ ثابت ہوئے۔ لیکن ان کے بعد بقول رینان (Renan) ''دنیا کے عظیم اور بہترین حکمرانوں کے اعلیٰ ترین سلسلہ جانشینی'' میں نیروا (Nerva)، ٹراجن (Trajan)، ہیڈ ریان (Hadrian)، انٹونیس پائیس (Antoninus Pius) اور مارکیوز آریلیس (Marcus Aurelius) یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ گبن (Gibbon) نے لکھا ہے۔

''اگر کسی شخص کو اس عہد کا تعین کرنے کو کہا جائے جو تاریخِ انسانی کا مسرور ترین اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خوشحال ترین زمانہ تھا تو وہ بلا جھجک نیروا (Nerva) کی تخت نشینی سے لیکر مارکیوز آریلیئس کی وفات تک کے زمانہ کی نشاندہی کرے گا۔ان حکمرانوں کا مجموعی دور حکومت ہی شائد تاریخ میں وہ واحد زمانہ ہے جب حکومت کا واحد نصب العین ہی عوام کی اکثریت کو خوش وخرم رکھنا تھا۔''(۱)

اس شاندار عہد میں ،جب رومی سلطنت کی رعایا اپنے آپ کو انہی حکمرانوں کے زیرِ حکومت ہونے پر خوش نصیب سمجھتی تھی ۔بادشاہت کا منصب موروثی کی بجائے اختیاری و انتخابی تھا۔شہنشاہ اپنا اقتدار اپنی اولاد کی بجائے اپنے تلاش کردہ قابل ترین شخص کو منتقل کرتا تھا۔ وہ اس کو اپنا لے پالک بیٹا بنالیتا اسے کاروبارِ حکومت کی تربیت دیتا اور بتدریج عنان اقتدار اس کے حوالے کردیتا تھا۔ یہ نظام بخوبی چلتا رہا۔کچھ اس وجہ سے بھی کہ نہ تو ٹراجن (Trajan) اور نہ ہی ہیڈ ریان (Hadrian) کا کوئی بیٹا تھا۔ اور انٹونینس پائیس (Antoninus Pius) کے بیٹے بچپن میں ہی فوت ہوگئے تھے ۔مارکیوز آریلیئس (Marcus Aurelius) کا ایک بیٹا تھا کوموڈس (Commodus) جو اس کے بعد تخت نشین ہوا کیونکہ یہ فلسفی بادشاہ اپنا کوئی دوسرا جانشین نامزد کرنے میں ناکام رہا۔یوں ایک بار پھر افراتفری اور خلفشار کا دوردورہ ہوگیا۔

تاہم مجموعی طور پر بطور نظامِ حکومت بادشاہت کی کارکردگی کو اوسط درجے کی کہا جاسکتا ہے۔تخت نشینی کے لئے ہونے والی جنگوں نے بنی نوع انسان کو کافی نقصان بھی پہنچایا ہے۔ بادشاہت کے تسلسل یا ''قانونی جواز'' سے حماقت،اقربا پروری،غیر ذمہ داری اور فضول خرچی جیسی برائیوں کے پھیلنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

اکثر لوئی چہاردھم (LouisXIV) کو جدید دور کے بادشاہوں کی صف میں بہت ممتاز مقام دیا جاتا ہے لیکن فرانس کے لوگوں نے اس کی موت کا جشن منایا تھا۔

Gibbon, Decline and Fall I P-31 -I

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہد جدید کی حکومتوں کی پیچیدہ نوعیت کے پیشِ نظر کسی ایک نقطہ نظر سے ان کا احاطہ کرنے کی کوشش عملاً ناممکن ہی ہے۔

اگر بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اکثر نظام ہائے حکومت دراصل چند سری حکومت (Oligarchy) ہی کی مختلف اقسام ہیں۔ یعنی ایک ایسی اقلیت کی حکومت جس کا انتخاب پیدائشی طور پر ہوسکتا ہے جیسے کہ اشرافیہ کی حکومت (Aristocracy) میں، یا پھر وہ کسی مذہبی تنظیم کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں جس طرح کہ مذہبی حکومتوں (Theocracies) کا طریقہ رہا ہے، یا پھر بذریعہ دولت انتخاب جیسا کہ جمہوریتوں میں ہوتا آرہا ہے۔ اکثریت کا حکومت کرنا ایک غیر فطری اُمر ہے حتیٰ کہ روسو بھی اس بات کا قائل ہوگیا تھا کیونکہ ایک اکثریت کو کسی متحدہ اور مخصوص عمل کے لئے منظم کرنا ناممکن ہے جب کہ اقلیت کے لئے ایسا کرنا ممکن ہے۔ اگر صلاحیتوں کی اکثریت افراد کی ایک مخصوص اقلیت میں مُرتکز ہوجائے تو اقلیت کی حکومت بالکل اسی طرح ناگزیر ہوگی۔ جس طرح دولت کا ارتکاز۔ اکثریت ماسوا اِس کے اور کچھ نہیں کر سکتی کہ وہ وقتاً فوقتاً ایک اقلیت کو پرے پھینک کر دوسری اقلیت کو اپنے اوپر مسلط کرلے۔

اشرافیہ کا موقف یہ ہے کہ بذریعہ پیدائش سیاسی اِنتخاب جو کہ (Aristocracy) کا خاصہ ہے دولت، مذہب یا تشدد کے ذریعے حکمرانوں کے انتخاب کا بہترین نعم البدل ہے۔ اشرافیہ کی حکومت (Aristocracy) میں چند لوگوں کو معاشی مقابلہ کی تھکا دینے اور ناشائستہ بنا دینے والی کشمکش سے علیحدہ کرلیا جاتا ہے، اور انہیں مثالوں کے ذریعے یا مناسب ماحول پیدا کرکے یا پھر چھوٹی موٹی منصب داریاں دیکر، حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ ان سب باتوں کے لئے ایسی مخصوص تربیت اور ماحول درکار ہوتا ہے۔ جس کا مہیا کرنا عام خاندانوں یا افراد کے بس سے باہر ہے۔ طبقہ اشرافیہ پر اِسطرح نہ صرف عمائدین حکومت کی پیدائش و پرداخت کی ذمہ داری ہوتی ہے بلکہ وہ ثقافت ومجلسی آداب، معیار و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذوق کی نشو ونما اور تحفظ بھی کرتا ہے۔اسطرح یہ طبقہ ناپسندیدہ سماجی رجحانات ومیلانات فنکارانہ خبطوں (Crazes) یا ذہنی اِختلال کے باعث اخلاقی اقدار میں ہونے والی تیز تر تبدیلیوں کے خلاف ایک اِستحکام اَنگیز رکاوٹ کا کردار ادا کرتا ہے۔ذرا غور فرمائیں کہ انقلاب فرانس کے بعد جب طبقہ اشرافیہ کا خاتمہ ہوگیا تو اخلاق وآداب اور اسلوب وفن کا کیا حال ہوا۔

اَشرافیہ نے ہمیشہ فنون لطیفہ کی حوصلہ افزائی و امداد کی ہے اور انہیں مُنظم کیا ہے لیکن انہوں نے خود شاذ ہی کبھی فن تخلیق کیا ہو۔اشرافیہ کے نزدیک فنکار ہاتھ سے کام کرنے والے عام مزدور کی مانند ہوتا ہے۔اس طبقہ کے لئے فن کی زندگی کی بجائے زِندگی کا فن زیادہ پسندیدہ ہے۔اور وہ کبھی اس جان لیوا مشقت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو ایک عظیم فنکار کو جنم دینے کا باعث ہوتی ہے۔اشرافیہ اکثر ادب بھی تخلیق نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تو ایسی تصنیفات کا قائل ہوتا ہے جن کی اشاعت میں نمود و نمائش یا کاروباری مُفاد کا پہلو وابستہ ہو۔نتیجتاً جدید اشرافیہ نے ایک ایسے لاپرواہ،شوقین اور طرب ونشاط کے متلاشی طبقے کی صورت اختیار کر لی جن کے نزدیک زندگی محض عیش وآرام سے عبارت ہے اور جو اپنی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر کے اپنی اعلیٰ حیثیت ومقام کے تمام فوائد سے بھرپور انداز میں لُطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔اسی طرزِ عمل کے باعث اشرافیہ کی حکومتوں (Aristocracies) کا خاتمہ بڑی تیزی سے ہوا۔لوئی چہاردھم (Loius XIV) کے اس دعوے "میں ہی ریاست ہوں" ("Letat Cest Moi") سے صرف تین نسل بعد ہی لوئی پانزدہم (یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اشرافیہ کی سلطنت کا خاتمہ قریب ہے) یہ کہنے پر مجبور ہوگیا "میرے بعد بس تباہی ہے!" ("Apres Moi Le Deluge") گرچہ طبقہ اشرافیہ کے عہدِ اقتدار کی بہت سی خوبیاں تھیں اور ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا لیکن ان تمام خوبیوں اور خدمات کے باوجود انہوں نے اقتدار و اختیار پر مکمل اور تنگ نظر اجارہ داری قائم رکھی اور عوام کو اپنے خُود غرضانہ جبر و اِستحصال کا نشانہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنایا۔اشرافیہ کی سب سے بڑی خامی اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقوں کی اندھا دُھند تقلید تھی جس کے باعث قومی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔پھر اشرافیہ نے خاندانی اور علاقائی جنگوں میں انسانوں اور ریاستی وسائل کا بے دریغ ضیاع کیا۔یہی تمام باتیں انکے خاتمہ کا باعث بنیں۔انہی وجوہات کی بنا پر طاقت و اختیار سے محروم نَو دولتیوں نے غریبوں سے مِل کر اشرافیہ کے نظام حکومت کے پیدا کردہ ٹھہراؤ اور جُمود کو پر تشدّد بغاوتوں کے ذریعے پارہ پارہ کردیا۔ہزاروں شرفاء (Aristocrates) تہہ تیغ ہوئے اور لوگوں پر حکومت یا بد حکومتی کرنے کے لئے نظام جمہوریت کی باری آگئی۔

انقلابات کا تاریخی طور پر کیا جواز ہے؟۔یعنی پرامن اصلاحات کے طریق کار کے مقابلہ میں انقلابی طرزِ عمل کی کیا افادیت ہے؟

اس موضوع پر زمانہ قدیم سے بحث ہوتی آئی ہے۔یہ مسئلہ اس وقت بھی موجود تھا جب لوتھر کے کیتھولِک کلیسا کے مکمل بغاوت اور قطع تعلق کے مقابلہ میں ایرانمس (Erasmus) نے حالات کو سدھارنے کے لئے پرامن اور منظم اصلاحات کی تجویز پیش کی۔یہی سوال اس وقت بھی درپیش تھا جب چارلس جیمس فوکس (Charles James Fox) کے انقلابِ فرانس کے بارے میں پرجوش موقف کے برعکس ایڈمنڈ بُرک (Edmund Burke) نے تسلسل اور اصلاحات کے عمل کی وَکالت کی۔

بعض صورتوں میں جیسا کہ 1917ء میں روس میں ہوا فَرسُودہ اور غیر لچک دار اداروں کے خاتمہ کے لئے تشدّد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔لیکن اکثر حالات میں یوں دکھائی دیتا ہے کہ انقلاب کے ذریعے حاصل شدہ فوائد و اثرات اس کے بغیر بھی حاصل ہو سکتے تھے اگر معاشی ترقی کا لازمی عمل تدریجی طور پر جاری رہتا۔مثلاً امریکہ بغیر کسی انقلاب کے ہی ساری مغربی دنیا میں غالِب حیثیت اختیار کر گیا ہے۔انقلاب فرانس نے جاگیردار اشرافیہ کی بجائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ دار تجارتی طبقہ کو حکمران بنا دیا لیکن انگلستان میں انیسویں صدی کے دوران یہی عمل بغیر کسی خون خرابہ کے پُر امن طریق پر وقوع پذیر ہوا۔ انقلاب کے ذریعہ ماضی سے یک بیک قطع تعلق کر کے ہم ایسے فکری و مادی دھچکوں اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو ایک بڑے انتشار و ابتری کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ جس طرح ایک گروہ کی فرزانگی، اُس کی یادوں کے تسلسل کی زنجیر کے ٹوٹنے سے ایک مجنونانہ ردِعمل پیدا ہوتا ہے۔ جس کا اظہار ستمبر 1792ء میں پیرس کے قتلِ عام کے دوران ہوا۔

چونکہ دولت تو اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کی بجائے اشیاء کی پیداوار اور تبادلہ کے طریقِ کار اور تنظیم کو کہا جاتا ہے اور نظامِ زر کی صورت میں یہ کاغذی سکّوں یا چیکوں کی اصل قیمت کی بجائے اِنسانوں اور اَداروں پر اعتماد کا عمل ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ پُر تشدّد انقلابات دولت کی از سرِ نو تقسیم اتنی نہیں کرتے جتنا کہ وہ اسے تباہ کر دیتے ہیں۔ انقلاب کے ذریعے زمین کی از سرِ نو تقسیم ممکن ہو سکتی ہے۔ لیکن جلد ہی انسانوں میں موجود فطری نابرابری کے باعث تصرّفات اور مراعات کی نابرابری دوبارہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح ایک نئی اَقلیت برسرِ اقتدار آ جاتی ہے جس کی خصلتیں لازماً وہی ہوتی ہیں جو پرانی برسرِ اقتدار اقلیت کی تھیں۔ حقیقی اِنقلاب تو محض ذہن کی کشادگی و خرد افروزی اور کردار کی اصلاح و ترقی میں پنہاں ہے۔ حقیقی رِفعت و آزادی محض انفرادی ہے اور حقیقی انقلابی تو محض فلسفی داولیا ہیں۔

اگر جمہوریت کو اس کے حقیقی معنوں میں دیکھا جائے تو اس کا وجود دورِ حاضر ہی میں وہ بھی زیادہ تر انقلابِ فرانس کے بعد آتا ہے۔ امریکہ میں مردانہ حق بالغ رائے دہی کی جمہوریت کا آغاز اینڈریو جیکسن (Andrew Jackson) کے دور میں ہوا۔ جبکہ بالغ حق رائے دہی کی جمہوریت جب عورتوں کو بھی ووٹ کا حق ملا تو ہماری جوانی کے زمانے میں شروع ہوئی۔ قدیم اٹیکا (Attica) میں تین لاکھ پندرہ ہزار نفوس کی آبادی میں ایک لاکھ پندرہ ہزار غلام تھے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۔اور صرف تینتالیس ہزار شہریوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل تھا۔تمام خواتین،تقریباً سب ہنر مند، دکاندار، تاجر اور سب غیر ملکی باشندے حقِ رائے دہی سے محروم تھے۔ووٹ دینے کے حق دار شہریوں کی اقلیت بھی دو حصوں میں منقسم تھی۔معززین۔۔۔جن میں زیادہ تر جاگیر دار اور اُمراء اور اعلیٰ کاروباری لوگ شامل تھے اور جمہور۔۔۔جو چھوٹے زمینداروں،کاروباری لوگوں اور ان شہریوں پر مشتمل تھے جو گرچہ غربت کے باعث محنت مزدوری پر مجبور ہو گئے تھے لیکن ابھی تک رائے دہی کا حق رکھتے تھے۔ پیری کلیس (Pericles) کے زمانے (460ق م تا 430ق م) تک حکومت پر اشرافیہ کا غلبہ رہا اور یہ زمانہ ایتھنز میں ادب، ڈرامہ، اور فنونِ لطیفہ کا زرّیں دور تھا۔ اس کی وفات کے بعد اور پیلو پونیسیائی جنگ (Pelo Pennesian War) میں ایتھنز کی شکست کے باعث اشرافیہ کے زوال سے "جمہور" یعنی شہریوں کے ادنیٰ طبقے کو برسرِ اقتدار آنے کا موقع مل گیا۔اس بات کا سقراط اور افلاطون کی بھی بہت رنج ہوا تھا۔

سولون (Solon) کے عہد سے لیکر رومیوں کے ہاتھوں یونان کی فتح (146ق م) تک معززین (Oligarchs) اور جمہور (Democrats) کی یہ باہمی کشمکش کہیں ڈراموں، کتابوں، انتخابات کی شکل میں اور کبھی جلاوطنیوں، قتل اور خانہ جنگیوں کی صورت میں جاری رہی۔کارسیرا (Corcyra) جسے اب کورفو کہتے ہیں۔ 427ق م میں حکمران اُمراء نے عوامی پارٹی کے ساٹھ رہنماؤں کو قتل کر دیا۔اس پر جمہور پسندوں (Democrats) نے امراء کا تختہ الٹ دیا اور ان میں سے پچاس کے خلاف اپنی قائم کردہ عوامی تحفظ کی کمیٹی میں مقدمہ چلایا اور ان سب کو سزائے موت دیدی۔اور طبقۂ اُمراء میں سے سینکڑوں کو بھوکوں مار ڈالا۔

اس دور کے متعلق تھوسی ڈائیڈیس (Thucydides) کی یہ منظر کشی ہمیں (1792-93ء) کے خانہ جنگی کے دور کے پیرس کی یاد دلاتی ہے۔

"سات دن تک کارسیرا کے باشندے اپنے ان ساتھی شہریوں کے قتل عام میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصروف رہے جنہیں وہ اپنا دُشمن سمجھتے تھے۔ ہر طرف موت کی حکمرانی تھی۔اور جیسا کہ اکثر موقعوں پر ہوتا ہے ظلم و بربریت میں لوگ اپنی تمام حدیں پھلانگ گئے۔ بیٹوں کو باپوں نے قتل کیا۔عبادت گاہوں میں پناہ لینے والوں کو باہر گھسیٹ لیا گیا یا پھر وہ وہیں تہہ تیغ کر دئے گئے۔۔۔اسی طور انقلاب شہر بہ شہر پھیلتا گیا۔اور جن جگہوں پر یہ بعد میں پہنچا وہاں پچھلی کار گزاریوں کے بارے میں سُن کر انتقامی کاروائیاں اور بھی پر تشدّد اور ظالمانہ انداز میں کی گئیں۔۔۔کارسیرا کے لوگوں نے ان جرائم کی پہلی مثال قائم کی۔۔۔یعنی محکوموں جو ہمیشہ اپنے حکمرانوں کے غیر منصفانہ اور پر تشدّد برتاؤ کا شکار رہے تھے کا اپنے آقاؤں سے بدلہ۔۔۔جس میں انتقام کے اندھے جذبات کی بنا پر وحشیانہ اور بے رحمانہ مظالم روا رکھے گئے۔اسی دوران اعتدال پسند شہری دونوں متحارب گروہوں کی کشمکش کا نشانہ بن گئے۔۔۔یوں پوری دنیائے یُونان میں کھلبلی مچ گئی"۔(۱)

اپنی تصنیف Republic میں افلاطون نے اپنے نفسِ ناطقہ سقراط کی زبان میں ایتھنز کی جمہوریت کو طبقاتی تشدّد کا ایک اختلال، تہذیبی تنزّل اور اخلاقی گراوٹ کا مظہر قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے۔اس کے بقول:

"جمہور پسند اعتدال اور ضبطِ نفس کو غیر انسانی قرار دیکر مسترد کرتے ہیں اور انہوں نے گستاخی کو تہذیب قرار دیدیا ہے۔وہ بدنظمی کو آزادی۔ضیاع کو شان وشکوہ اور بے حیائی کو دلیری کہتے ہیں۔باپ اپنے بیٹوں کے ہم رُتبہ ہوگئے ہیں اور ان سے خوف کھاتے ہیں۔بیٹے باپ کی برابری کرتے ہیں اور انہیں اپنے والدین کا نہ تو خوف ہے نہ کوئی شرم۔۔۔استاد اپنے شاگردوں سے ڈرتے اور اُنکی خوشامد کرتے ہیں اور شاگرد اپنے استادوں اور اتالیقوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔بوڑھے لوگوں کی اب یہ خواہش نہیں کہ انہیں سنجیدہ اور بارُعب سمجھا جائے اسی لئے وہ نوجوانوں

۱۔Thucydides, Life of Greeces P-284

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نقل کرتے ہیں۔۔۔ یہاں مرد وزن کے باہمی تعلقات کی آزادی و مساوات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ شہری معمولی قانونی بندشوں پر بھی بہت جز بز ہوتے ہیں اور انہوں نے ہر قسم کے تحریری یا غیر تحریری قانون کی پروا کرنا چھوڑ دی ہے۔۔۔ اور یہی وہ عمدہ اور شاندار ابتداء ہے جس سے مطلق العنانیت پیدا ہوئی ہے ہر شے کی بے انتہا زیادتی ایک مخالف اور شاندار ردعمل کو جنم دیتی ہے فطری طور پر جمہوریت سے مطلق العنانیت، اور آزادی کی انتہائی صورت سے جبر اور غلامی کی بدترین شکلیں پیدا ہوتی ہیں''۔(۱)

افلاطون کی وفات (347ق۔م) تک ایتھنز کی جمہوریت کے بارے میں اس کے مخاصمانہ تجزیے پر تاریخ نے اپنی مہرِ تصدیق ثبت کردی تھی۔ ایتھنز معاشی طور پر دوبارہ خوشحال ہوگیا تھا لیکن یہ خوشحالی زرعی آمدنی کی بجائے تجارتی دولت کے باعث تھی اور اب صنعت کاروں، سوداگروں اور بنکاروں کی حکمرانی تھی۔ اس تبدیلی سے دولت کے حصول کی مجنونانہ جدوجہد کا آغاز ہوا۔ نو دولتیوں نے پرتعیش محلات تعمیر کرلئے اپنی خواتین کو مہنگے ملبوسات اور زیورات سے لاد دیا اور اُن کی خدمتگاری کے لئے درجنوں ملازمین رکھ کر اُن کا دماغ خراب کردیا۔ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مہمانوں کی خاطر مدارت اور ضیافتیں کرتے۔ غریب اور امیر کے درمیان فرق وسیع تر ہوتا گیا۔ ایتھنز دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا جیسا کہ افلاطون نے لکھا ہے ''دو شہر۔۔۔ ایک غربا کا شہر اور دوسرا اُمراء کا، اور دونوں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار''۔

غربا قانون سازی، ٹیکسوں اور انقلاب کے ذریعے امیروں کو لوٹنے کے منصوبے بناتے۔ امراء غریبوں سے اپنے تحفظ کے لئے اپنے آپ کو منظم کیے رکھتے۔ اُرسطو کا کہنا ہے کہ طبقہء امراء کے افراد کی ایک تنظیم کے اراکین یہ حلف اٹھایا کرتے تھے۔

۱۔ The Republic, P-560-564

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''میں عوام کا دشمن رہوں گا اور کونسل میں ان کی مُخالفت میں جو کچھ بھی کر سکا کروں گا''(۱)

آئسوکریٹس(Isocrates)نے 366 قبل مسیح میں یہ لکھا ہے۔

''اُمراء کا رویہ اسقدر غیر انسانی ہوگیا ہے کہ وہ اپنی اشیاءضرورت مندوں کو بطور قرض امداد دینے کی بجائے انہیں سمندر میں پھینک دینے کو ترجیح دیتے ہیں اور غربا کا یہ حال ہے کہ انہیں کوئی خزانہ مل جانے کی اسقدر خوشی نہیں ہوگی جتنی کہ کسی امیر کے مال اسباب پر قبضہ کرنے سے ہوگی''۔(۲)

غریب شہریوں نے اسمبلی کا کنٹرول سنبھال لیا اور امراء کی دولت کو حکومت کے خزانے میں داخل کرنے کے لئے قوانین بنالئے تاکہ حکومتی سرمایہ کاری اور مراعات کے ذریعے اس دولت کی ازسرِ نو تقسیم کی جاسکے۔سیاستدانوں نے بھی حکومتی محاصل کے نئے ذرائع کی تلاش میں اپنی ساری ذہانت صرف کردی۔بعض شہروں میں دولت کی دوبارہ تقسیم کا عمل زیادہ ہی براہ راست ہونے لگا مثلاً مٹی لین(Mytilene)میں قرض داروں نے اپنے قرض خواہوں کا اِجتماعی طور پر قتلِ عام کردیا۔آرگوس(Argos)کے عوام امیروں پر پل پڑے۔سیکڑوں کو مار ڈالا اور ان کی جائداد و دولت ضبط کرلی۔یونان کی بظاہر ایک دوسرے کے مخالف ریاستوں کے دولت مند خاندان عوامی بغاوتوں کے خلاف باہمی اِمداد کے لئے خفیہ طور پر متحد ہوگئے۔اس طرح امراء اور متوسط طبقے جمہوریت کو ایک طاقتور حریف سمجھ کر اس سے بدظن ہوگئے جبکہ غریب اس لئے اس سے متنفر تھے کہ رائے دہی کے حق کی مصنوعی برابری دولت کی بڑھتی ہوئی عدم مساوات کے باعث غیر مُوثر ہو چکی تھی۔چنانچہ جب 338 قبل مسیح میں مقدونیہ کے فلپ(Philip)نے یُونان پر دھاوا بولا تو اس وقت بڑھتی ہوئی طبقاتی مُنافرت کے باعث

۱۔ Aristotle, Politics P-1310 ۲۔ Isocrates works, Archidamus P-67

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونان اَندرونی اور بَیرونی طور پر منقسم ہو چکا تھا۔ اور بہت سے امیر یونانیوں نے فلپ کو اِنقلاب کی نسبت ترجیح دیتے ہوئے اس کی آمد کا خیر مقدم کیا۔ اس طرح ایتھنز کی جمہوریت کا مقدونیہ کی مطلق العنانیت کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا۔

افلاطون نے سیاسی اِرتقاء کو بادشاہت، اَشرافیہ، جمہوریت اور ڈکٹیٹرشپ کے مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ اِس طریق کار کی ایک مثال روم کی تاریخ سے ملتی ہے۔ دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح میں رومی امراء کے طبقے (Oligarchy) نے باقاعدہ خارجہ پالیسی اور مُنظّم فوج قائم کی اور سارے بحیرہ روم کے علاقے کو تخت و تاراج کیا۔ یہاں سے حاصل کردہ دولت عالی نَسب لوگوں پر صَرف ہوئی اور اس کے نتیجہ میں ہونے والی تجارتی ترقی کے باعث بالائی متوسط طبقہ کے لئے عیش و عشرت اور امارت کے مزید مواقع میسر آئے۔ افریقہ، مشرقی علاقوں اور یونان سے مفتوحین جاگیروں پر کام کرنے کے لئے اٹلی لائے گئے۔ اس کے نتیجہ میں زمین سے بے دَخل ہونے والے مقامی کسان شہروں میں موجود بے چین و غیر مطمئن مزدوروں کے ساتھ مل کر اُس سرکاری خیرات پر گزارہ کرنے لگے جو غلّے کی شکل میں ملتی تھی اور جس کا اہتمام گائیس گریکس (Gaius Gracchus) نے 123 قبل مسیح میں کیا تھا۔ جرنیل اور گورنر صوبہ جات سے واپسی پر اپنے اور حکمرانوں کے لئے مالِ غنیمت سے لدے پھندے آتے جس کے باعث دولت مندوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب جاگیر یا زمین کی بجائے منقولہ دولت سیاسی طاقت کا سرچشمہ تھی۔ حریف گروہوں میں امیدواروں اور ووٹروں کی وسیع پیمانہ پر خریداری کے لئے زبردست مقابلہ ہوتا۔ 53 قبل مسیح میں ووٹروں کے ایک گروہ نے اپنی تائید و حمایت کا معاوضہ ایک کروڑ چاندی کے سِکوں کی صورت میں وصول کیا۔ جہاں روپیہ کام نہ دیتا وہاں تشدد کا راستہ اختیار کیا جاتا۔ مخالفت میں ووٹ دینے والے شہریوں کو بعض اوقات اس قدر مارا پیٹا گیا کہ وہ قریب المرگ ہو گئے اور ان کے گھروں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ عہد قدیم میں اس سے قبل کبھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اتنی امیر، اتنی طاقتور اور اس قدر بد عنوان حکومت دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ اقتدار کی اس جنگ میں فتح یاب ہونے کے لئے طبقہ اشرافیہ نے پومپی (Pompey) جیسے جرنیل اور مدبر کا سہارا لیا جبکہ عام لوگوں نے سیزر (Ceasar) کی حمایت کی۔ اب کے جیت کا فیصلہ دولت کے بل بوتے پر ہونے کی بجائے بذریعہ شمشیر ہوا۔ جس میں سیزر فتح یاب ہوا۔ اور اس نے عوامی ڈکٹیٹر شپ قائم کر لی۔ امراء نے اسے مار ڈالا لیکن انہوں نے بھی اسی کے سوتیلے بیٹے آگسٹس (Augustus) کی مُطلق العنانیت قبول کر لی۔ اس طرح جمہوریت کا خاتمہ ہو گیا۔ بادشاہت دوبارہ بحال ہو گئی اور افلاطون کے دولابی (Cyclic) نظریہ تاریخ کا ایک دور مکمل ہو گیا۔

ان تاریخی مثالوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ قدیم جمہوریت جو کہ غلامی ضمیر فروشی اور جنگوں کے باعث بوسیدہ اور مسخ ہو چکی تھی اس قابل نہیں تھی کہ اسے عوام کی حکومت کہا جا سکے اور نہ ہی وہ عوامی حکومت کے معیار پر پورا اُترتی تھی۔ امریکہ میں قائم ہونے والا جدید جمہوری نظام وسیع تر بنیادوں پر استوار ہوا تھا۔ اس کے آغاز ہی میں برطانوی تمدّنی و ثقافتی ورثہ کی خوبیاں اس میں جاگزیں ہو گئی تھیں۔ یعنی اینگلو سیکسن قانون جس نے میکنا کارٹا (Magna Carta) کے دور سے ہی ریاست کے مقابلہ میں شہریوں کے حقوق کا تحفظ کیا۔ دوسرا پروٹسٹنٹ عقیدہ جس نے مذہبی اور ذہنی آزادی کی راہ ہموار کی۔ امریکی انقلاب نہ صرف آبادکاروں کی دور دراز سے ہونے والی حکمرانی کے خلاف بغاوت تھی بلکہ یہ مقامی درمیانے طبقے کی درآمد شدہ اشرافیہ کے خلاف جنگ بھی تھی۔ علاقے کی وسعت اور قوانین کی عدم موجودگی کے باعث امریکی آبادکاروں کی بغاوت بآسانی اور بڑی تیزی سے پھیلتی گئی چونکہ یہ لوگ اپنی کاشت کردہ زمین کے خود مالک تھے اور انہیں اپنے ماحول پر دسترس حاصل تھی اس لئے ان کا کردار اور تشخص اِس سرزمین امریکہ سے وابستہ تھا۔ اور اسی چیز نے انہیں سیاسی آزادی کے لئے ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی بنیاد فراہم کردی۔

یہی لوگ تھے جنہوں نے جیفرسن (Jaferson) کو۔۔۔جو کہ والٹیر (Voltaire) جیسا متشکک اور روسو (Rousseau) کی طرح انقلابی تھا۔۔۔اپنا صدر بنایا۔انہوں نے ایسا طرزِ حکومت تشکیل دیا جس میں لوگوں پر حکمرانی کا جبر کم سے کم رکھا گیا تھا۔اسی نظامِ حکومت کی بدولت ان انفرادی توانائیوں کو آزادی میسر آئی جن کی بنا پر امریکہ ایک ویرانے سے جنت ارضی میں بدل گیا اور اس نے مغربی یورپ کے زیر حفاظت بچے کی بجائے ان کے سر پرست اور اقتصادی حریف کا مقام حاصل کرلیا۔جہاں وسیع وعریض علاقوں میں بکھری ہوئی الگ تھلگ دیہاتی آبادیوں کے باعث اِنفرادی آزادی کا تصور پختہ تر ہوتا گیا وہیں ملکی طور پر الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے شخصی آزادی اور حفاظت وخودمختاری کے تصورات قومی حدود میں ہی رہے۔اِن اور دوسری سینکڑوں وجوہات کی بنا پر امریکہ میں تاریخ کی سب سے زیادہ بنیادی اور ہمہ گیر جمہوریت قائم ہوئی ہے۔

اب اس جمہوریت کی تشکیل کرنے والی کئی وجوہات وشرائط ختم بھی ہوچکی ہیں۔شہروں کی ترقی کے باعث انفرادی طور پر اُلگ تھلگ رہنے کا دَور ختم ہوگیا ہے۔اسی طرح کاریگروں اور ہنر مندوں کے اس سرمایہ اور اُن آلات پر اِنحصار کے باعث جو ان کی اپنی ملکیت نہیں اور ایسے حالات کی وجہ سے جو اُن کے قابو سے باہر ہیں۔شخصی خُودمختاری کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ اب جنگیں زیادہ تباہ کُن ہوگئی ہیں اور ایک فرد کے لئے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ انکی وُجوہات و اُسباب کو سمجھ سکے اور ان کے اَثرات سے محفوظ رہ سکے۔ایک دُکاندار جو کبھی خودمُختار مالک ہوا کرتا تھا اب بڑے تقسیم کار (Distributor) کے شکنجے میں ہے اور مارکس (Marx) کے اس قول کی عملی تفسیر نظر آتا ہے کہ ''ہر چیز زنجیروں میں مقیّد ہے'' ۔حتیٰ کہ آزادی کا تصور محض اُشک شوئی کا بہانہ بن کر رہ گیا ہے۔مگر یہ سب کچھ محض اُمراء کی کج رَوی اور مُعاندانہ روش کے باعث نہیں ہوا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے جیسا کہ ہم اپنی جوانی کے دنوں میں سمجھا کرتے تھے بلکہ یہ تو معاشی ترقی کا لازمی نتیجہ اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ معیشت کی پیچیدگی میں معتدبہ اضافہ سے اعلیٰ قابلیت اور صلاحیت کے تفوق اور برتری کو ہر دم شہ ملتی ہے اور اسطرح دولت، اختیارات، و سیاسی اقتدار کے ارتکاز میں مزید شدت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

جمہوریت سب سے مشکل نظام حکومت ہے کیونکہ اس میں ذہانت بہت وسیع پیمانہ پر درکار ہوتی ہے۔ لیکن حکمرانی اور ذہانت کا آپس میں بیر ہے۔ اگرچہ تعلیم پھیل رہی ہے لیکن چونکہ احمق لوگوں کی افزائش نسل اور بار آوری کی صلاحیت ذہین اور عقل مند افراد کی نسبت بہت زیادہ ہے اس لئے اجتماعی ذہانت اور عقلمندی میں مسلسل کمی ہو رہی ہے۔ کیونکہ دنیا میں عقل مندوں کی نسبت احمقوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ کسی طنز نگار نے کہا ہے۔

"ہم جاہلوں کو محض اس بنا پر اقتدار دیدیں کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے؟"

تاہم اگر کبھی جہالت برسر اقتدار آ بھی جائے تو یہ زیادہ لمبے عرصے کے لئے نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس پر ایسی قوتیں بہت جلد غلبہ پالیتی ہیں جو رائے عامہ کی تشکیل کرتی ہیں۔ ہوسکتا ہے لنکن (Lincon) کا یہ مفروضہ درست ہو کہ آپ سب لوگوں کو ہمیشہ کے لئے بیوقوف نہیں بنا سکتے تا کہ ایک بڑے ملک پر حکومت کی جاسکے۔

کیا جمہوریت کو فنونِ لطیفہ کے معیار کی موجودہ گراوٹ کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے؟

چونکہ معیار کا مسئلہ انفرادی اور موضوعی (Subjective) احساسات سے متعلق ہے اس لئے معیار کی کمی (Debasement) بذاتِ خود ایک متنازعہ امر ہے۔ ہم میں سے جو لوگ آرٹ کے معیار کے تنزل کے شاکی ہیں انہیں دوسرے لوگ ماضی کے ایسے پرستار قرار دیتے ہیں جن میں نئے فنی تجربوں کا حوصلہ اور سکت نہیں۔ اسی لئے انہیں جدید مصوری رنگوں کے بے معنی دھبوں کا مجموعہ نظر آتی ہے ان کے نزدیک موجودہ سرئیلسٹ (Surrealist) آرٹ محض کچرا اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماڈرن موسیقی صرف بے سُری کائیں کائیں ہے۔ اگرچہ آرٹ کے جدید رجحانات عوام میں مقبول نہیں ہو سکے اور وہ ان آرٹسٹوں کو محض سودائی یا ڈھوکے باز عطائی کہہ کر مسترد کرتے ہیں۔ البتہ درمیانہ طبقہ کے وہ سادہ لوح خریدار جو آرٹ ڈیلروں کی چرب زبانی سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ہر نئی چیز کی طرف لپکتے ہیں خواہ وہ کتنی ہی بدنُما کیوں نہ ہو ان کے قدردان ہیں۔ جمہوریت فنونِ لطیفہ کے زوال کی ان معنوں میں ذمہ دار ہے کہ وہ فنی معیار اور ذوق کی اس سطح تک نشوونما نہ کر سکی کہ یہ اشرافیہ کے دور کے قائم کردہ معیار کی جگہ لے سکے۔ اشرافیہ کے پیدا کردہ فنی معیار و ذوق کے باعث ہی فنکاروں کے تخیل اور انفرادیت پسندی کا ابلاغ کی حدوں میں رہنا ممکن ہوا۔ اسی وجہ سے آرٹ سے زندگی کی ترجمانی اور تشریح ممکن ہوئی اور فنونِ لطیفہ نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ہم آہنگی کو اُجاگر کر کے اس کائنات کا ایک مربُوط تصور پیش کیا۔ اب اگر آرٹ عجیب و غریب اور سوقیانہ شکلوں میں کھویا ہوا دکھائی دیتا ہے تو اسکی صرف یہ وجہ نہیں کہ عوامی دباؤ یا غلبہ کے باعث اس میں سوقیانہ پن پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ پرانے افکار و تصورات کے تحت موجود سب اِمکانات کی بہت حد تک تکمیل ہو چکی ہے۔ اب آرٹ نئے اُسلُوب و نقوش، نئے اصول قواعد و ضوابط کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

تمام مباحث و دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی اور نظامِ حکومت کی نسبت جمہوریت نے زیادہ فائدہ اور کم نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے انسانوں کو ایسا جوش و وَلولہ اور باہمی اُلفت کا وہ جذبہ بخشا جس کے سامنے اسکی سب کوتاہیاں اور نقائص ماند پڑ جاتے ہیں۔ اس نے عقل و خرد، سائنس اور مہم جوئی کو عمل اور ترقی کے لئے ضروری آزادی فراہم کی۔ اس جمہوریت کے باعث مراعات و طبقات کی حد بندیاں ختم ہو گئیں اور ہر طبقے اور ہر علاقے کے باصلاحیت لوگوں کو ترقی کے مواقع فراہم ہوئے۔ جمہوریت کے تحرّک کے زیرِ اثر ہی ایتھنز اور روم تاریخ میں سب سے زیادہ تخلیقی شہر بن گئے۔ اور صرف دو صدیوں کے عرصہ میں امریکہ میں اسقدر کثیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آبادی کے لئے ہر شے کی با افراط فراہمی ممکن ہوئی۔

اب جمہوریت نے تعلیم کی ترویج و اشاعت اور صحتِ عامہ کے تحفظ کا پوری طرح بیڑہ اٹھالیا ہے۔ حقیقی اور منصفانہ جمہوریت کا قیام اُس وقت ہی ممکن ہو سکے گا جب تعلیمی مواقعوں کی مُساوات مکمل طور پر قائم ہو جائے۔ کیونکہ پُر کشش باتوں کے پیچھے پوشیدہ بڑی سچائی یہی ہے کہ گرچہ تمام انسان برابر نہیں ہو سکتے لیکن اُن کے تعلیم اور روزگار کے مواقع تک رسائی تقریباً مساوی بنانا ممکن ہے ہر عہدہ اور اقتدار پر سب انسانوں کا حق نہیں ہے البتہ اِنسانی حقوق کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کی اُس راہِ منزل تک رسائی ہو جہاں کسی بھی عہدہ یا کسی قسم کے اقتدار کے لئے اُسکی موزونیت کی جانچ ہو سکے اور اسے اِس میدان میں مزید مواقع مل سکیں۔ کوئی بھی حق خُدا یا فِطرت کی عنائت نہیں بلکہ یہ تو ایسا استحقاق مراعت ہے جو جس قدر فرد کو میسر ہوگا اتنا ہی گروہ کے لئے مُفید ثابت ہوتا ہے۔

انگلستان میں، ریاستہائے متحدہ امریکہ میں، ڈنمارک، ناروے اور سویڈن میں، سوئزرلینڈ اور کینیڈا میں ہر جگہ جمہوریت آج پہلے کسی بھی زمانہ کی نسبت زیادہ مضبوط ہے۔ اس نے نہ صرف بیرونی ڈکٹیٹر شِپ کے حملوں کے خلاف پوری جُرات اور طاقت سے اپنی حفاظت کی ہے، بلکہ اَندرُونی آمریتوں کے سامنے بھی سپر انداز نہیں ہوئی ہے۔ لیکن اگر اس پر جنگ کے سائے منڈلاتے رہے یا پوری دنیا پر حکمرانی کی خواہش میں جنگی وسائل و اِخراجات میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا تو اس جنگ اور اسلحہ کی گرم بازاری میں جمہوری آزادیاں یکے بعد دیگرے دم توڑتی جائیں گی۔ اگر نسلی یا طبقاتی جنگ ہمیں دو مُخالف کیمپوں میں تقسیم کر دیتی ہے اور سیاسی افہام و تفہیم کی جگہ اندھی نفرت کا دور دورہ ہو جاتا ہے تو ایک یا دوسرا فریق سیاسی عمل و جمہوریت کا خاتمہ کر کے بندوق کا راج قائم کر سکتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر ہماری آزاد معیشت دولت کی تقسیم اتنی ہی عمدگی سے کرنے میں ناکام رہتی ہے جس قدر عُمدہ طریق سے اس نے یہ دَولت پیدا کی تھی تو کسی بھی ایسے شخص کے لئے آمریت قائم کرنے کی راہ بالکل ہموار ہو جائے گی جو سب لوگوں کو تحفّظ کی یقین دہانی کرا دے۔ اور کسی بھی طرح کے دلفریب نعروں کے تحت قائم ہونے والی فوجی حکومت جمہوری دنیا کو نگل جائے گی!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیارھواں باب

جنگ اور تاریخ

جنگیں تاریخ میں ایک مُستقل حیثیت رکھتی ہیں اور تمدّن کی ترقی یا جمہوریت کی آمد سے ان میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ مُستند تاریخ انسانی تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پر مُحیط ہے اس دوران صرف 268 سال ایسے ہیں جن میں جنگ نہیں ہوئی۔ فی زمانہ جنگ کو انواعِ انسانی میں قدرتی اِنتخاب (Natural Selection) کا ایک ذریعہ اور باہمی مقابلہ کی انتہائی شکل تسلیم کیا جاتا ہے ہرقلیطس (Heracleitus) کے بقول جنگ یا مقابلہ ہی تمام چیزوں کا بانی مُبانی ہے تمام نئے نظریات و اِیجادات جنگ کی گود میں ہی پرورش پاتے ہیں اسی کے باعث نئے ادارے اور ریاستیں جنم لیتی ہیں۔ اَمن تو ایک ایسا غیر مستحکم توازن ہے جو محض ایک فریق کی دوسرے پر مسلمہ برتری یا متحارب فریقین کی مساوی طاقت کی بنا پر ہی قائم رہ سکتا ہے۔

جنگ کی وجوہات بھی تقریباً وہی ہیں جو افراد کے درمیان مقابلہ کی ہوتی ہیں یعنی حرص جھگڑالو پن اور غرور علاوہ ازیں خوراک زمین اشیاء و ایندھن کے حصول کی طلب اور سب سے بڑھ کر حاکمیت کی خواہش۔

ریاست میں انسانی جبلتیں تو موجود ہوتی ہیں لیکن وہ انسانی کمزوریوں سے بہت حد تک مبرّا ہوتی ہے۔ ایک فردِ اخلاقیات اور قانون کی عائد کردہ پابندیوں کو اِس لئے قبول کر لیتا ہے اور ریاستی ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے اپنے مسائل لڑائی جھگڑے کی بجائے بات چیت یا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانونی ذرائع سے حاصل کرنے پر اس لئے آمادہ ہوتا ہے کیونکہ ریاست اُسے اُسکی زندگی ملکیت اور حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

ریاست بذاتِ خود کسی خاص پابندی کو تسلیم نہیں کرتی اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاست کے پاس اپنے اختیار وارادہ میں کسی قسم کی مداخلت کو روکنے کے لئے کافی قوت موجود ہے اور نہ ہی ریاست سے بالاتر کوئی ایسا ادارہ موجود ہے جو ریاست کو تحفظ فراہم کرتا ہو۔ کسی بین الاقوامی قانون یا ضابطہء اِخلاق میں اس اَمر کے لئے کوئی موثر قوت بھی موجود نہیں ہے۔

اگر اَفراد کا معاملہ ہو تو فخر و غرور زندگی کے مقابلوں کے دوران ایک اضافی توانائی مہیا کرنے والا عنصر ہوتا ہے قوموں کے معاملہ میں جنگ، اور سفارت کاری کے میدانوں میں قوم پرستی زائد قوت بہم پہنچاتی ہے۔ جب یورپ کی قومیں پاپائیت کے تسلط سے آزاد ہوئیں تو ہر ریاست نے اپنی افواج اور بحریہ کو تقویت و وسعت دینے کی خاطر قوم پرستی کی حوصلہ افزائی کی جب کسی ریاست نے کسی خاص ملک سے تصادم کا اِمکان محسوس کیا تو اس نے اپنے عوام میں اس ملک کے خلاف نفرت کو ہوا دینی شروع کر دی اور اس نفرت کو نقطہء عروج تک پہنچانے کے لئے دل میں کُھب جانے والے نعرے وضع کئے گئے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہاں کے حکمرانوں نے اپنی اَمن پسندی کا پرچار بھی جاری رکھا۔

لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ تمام مخاصمانہ پروپیگنڈہ کے باوجود متحارب ملکوں کے عوام میں باہمی نفرت شاذ و نادر ہی ایسی سطح تک پہنچتی ہے جو انسانی روحوں کی لام بندی پر منتج ہو۔ ایسی صورتحال صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جب بین الاقوامی طور پر خوف اور بے اعتمادی کا دور دورہ ہو اور اقوامِ عالم کسی عالمگیر تصادم سے دوچار ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سولہویں صدی کی مذہبی جنگوں اور انقلابِ فرانس کی جنگوں کے درمیانی عرصہ میں یورپ میں عمومی نفرت کی فضا موجود نہیں تھی۔ اس عرصہ کے دوران متحارب ریاستوں کے عوام ایک دوسرے کے کارہائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمایاں اور تمدن کا احترام کرتے تھے۔ جن دنوں میں فرانس کی انگلستان سے جنگ جاری تھی انگریز لوگ فرانس میں بحفاظت سفر کیا کرتے تھے۔ فرانسیسی اور فریڈرک اعظم ان دنوں بھی ایک دوسرے کی تعریف کرتے رہے جب وہ باہم جنگِ ہفت سالہ (Seven Years War) لڑنے میں مصروف تھے۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں جنگیں عوام کی بجائے اشرافیہ کا باہمی مقابلہ ہوتی تھیں بیسویں صدی میں مواصلات، ذرائع آمدورفت اور ہتھیاروں کی ترقی نیز پروپیگنڈہ کے ذرائع کی بہتری نے جنگ کو اشرافیہ کی لڑائی کی بجائے عوام کی جدّ وجہد میں تبدیل کر دیا اس جدّ وجہد میں فوجوں کے ساتھ شہری بھی برابر کے شریک ہوتے ہیں اور فتح حاصل کرنے کے لئے جان و مال کی وسیع پیمانہ پر قربانی دینا پڑتی ہے۔ اب صرف ایک جنگ شہروں کی تعمیر فنون لطیفہ کی تخلیق اور متمدن اطوار کی نشوونما میں صرف شدہ صدیوں کی محنت کو تباہ کر سکتی ہے۔

البتہ جنگ کے بارے میں ایک معذرت خواہانہ تشفی کا پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنگ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے اس ترقی کے باعث پیدا ہونے والی ایجادات زمانہ امن کی مادی کامیابیوں کو وسعت دے سکتی ہیں بشرطیکہ یہ ایجادات جنگ کی پیدا کردہ عالمگیر افلاس و بے نوائی اور بربریت میں کھو کر نہ رہ جائیں۔

ہر دور میں جرنیلوں اور حکمرانوں نے آگسٹس اور اشوکا جیسی چند مستثنیات کو چھوڑ کر فلسفیوں کی جنگ سے ناپسندیدگی کا یہ کہہ کر مذاق اڑایا ہے کہ جنگ سے نفرت کرنا بزدلوں کا شیوہ ہے تاریخ کی عسکری توجیہہ پر یقین رکھنے والوں کے نزدیک جنگ مسائل کا آخری حل ہے۔ اور یہ فطری اور لابدی عمل ہے۔ انکے بقول صرف بزدل اور احمق ہی اس بات کے قائل ہو سکتے ہیں کہ جنگ کے بغیر بھی بنی نوع انسان کے مسائل حل ہو سکتے ہیں وہ دلیل دیتے ہیں چارلس مارٹل (Charles Martel) کی طورس (Tours) کے مقام پر فتح نے ہی 732ء میں فرانس اور سپین کو مسلم علاقے بننے سے روکا۔ اسی طرح اگر ہم تاتاریوں اور منگولوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حملوں کے خلاف مسلح مزاحمت نہ کرتے تو آج ہمارا کلاسیکی تمدنی ورثہ نیست و نابود ہو چکا ہوتا۔عوام کی جنگ پسندی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اُن جرنیلوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں جو میدان جنگ کی بجائے بستر پر مریں اگرچہ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ مردہ جرنیل کی نسبت زندہ جرنیل زیادہ قابلِ قدر اور مفید ہوتے ہیں لیکن جب وہ کسی ہٹلر یا چنگیز خاں کا منہ پھیر دیں تو ہم خراجِ عقیدت کے طور پر ان کے مجسمے تراشتے ہیں۔

جرنیل کہتا ہے جنگوں میں بہت سے نوجوانوں کا ہلاک ہونا بلاشبہ افسوسناک اَمر ہے لیکن اس کو کیا کہیئے کہ جنگ کی نسبت ٹریفک حادثوں میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اسی طرح بے شمار نوجوان ڈسپلن کی کمی کے باعث دنگا فساد کرتے ہوئے ہلاک ہو جاتے ہیں ۔کیونکہ انہیں اپنی مُہم جوئی اور جنگجو فِطرت کی تسکین کے لئے اور اپنے بے کیف معمول سے اکتاہٹ کے باعث کسی نِکاسی کے راستے (Outlet) کی ضرورت ہوتی ہے اگر انہوں نے جلد یا بدیر مَرنا ہی ہے تو کیوں نہ انہیں جنگ کی خوابناک اور پر عَظمت فِضا میں اپنے وطن کے لئے مرنے دیا جائے ؟ حتیٰ کہ ایک فلسفی بھی اگر اسے تاریخ کا اِدراک ہو اس بات کو تسلیم کرے گا کہ عرصہ دراز تک امن کی موجودگی کسی قوم کی جنگی صلاحیتوں کو مُہلک حد تک کمزور کر دیتی ہے۔ بین الاقوامی قانون اور اخلاقیات کی لاچاری کے اس دور میں ایک قوم کو ہر گھڑی اپنے دفاع کے لئے تیار رہنا چاہئے اور جہاں اسکے اہم مفادات کا معاملہ ہو اسے اپنی بقاء کے لئے ہر وہ ذریعہ استعمال کرنے کی اجازت ہونی چاہئے جو وہ ضروری سمجھے جب کسی قوم کی بقاء خطرے میں ہو تو اخلاقی اصولوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

(جرنیل کی بات ابھی جاری ہے) یہ بات واضح ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کو وہ ذمہ داری قبول کرنی چاہئے جو برطانیہ نے انیسویں صدی میں نہایت عمدگی سے سرانجام دی یعنی مغربی تمدن کی بیرونی خطرات سے حفاظت۔آج صورتحال یہ ہے کہ کثیر آبادی اور جدید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہتھیاروں سے مسلّح کمیونسٹ حکومتوں نے ریاستوں کی معیشت اور آزادی کو تباہ کرنے کے عزم کا کھلے عام متعدد مواقع پر اعادہ کیا ہے علاوہ ازیں نو آزاد قومیں جو معاشی ترقی اور فوجی برتری کے حصول کی خاطر اپنے ہاں صنعتی انقلاب کی خواہاں ہیں وہ روس کی تیز رفتار صنعتی ترقی سے بہت متاثر ہیں جو کہ بظاہر سوشلسٹ نظام کا نتیجہ ہے مغربی نظامِ سرمایہ داری ممکن ہے آخر کار زیادہ سود مند ثابت ہو لیکن اس کے تحت ترقی کی رفتار سُست محسوس ہوتی ہے اسی لئے اپنے ملکوں کے عوام اور وسائل پر دسترس حاصل کرنے کے مُشتاق نئے آزاد ہونے والے حکمران کمیونسٹ پروپیگنڈہ کمیونزم کی نفوذ پذیری اور تخریب کاری کے ممکنہ شکار ہیں اگر کمیونزم کے پھیلاؤ کے اس عمل کو نہ روکا گیا تو یہ صرف کچھ عرصے کی بات ہوگی کہ تقریباً تمام ایشیا افریقہ اور جنوبی امریکہ میں کمیونسٹ قیادت برسر اقتدار ہوگی اور آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، شمالی امریکہ اور مغربی یورپ ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں ہونگے ذرا سوچیں کہ جاپان، فلپائن اور ہندوستان پر اس صورتحال کا کیا اثر ہوگا؟

اٹلی جہاں کمیونسٹ پارٹی پہلے ہی کافی طاقتور ہے اس کمیونزم کی یلغار کا بہت جلد شکار ہو جائے گا۔ اٹلی میں کمیونسٹوں کی فتح سے فرانس کی کمیونسٹ تحریک پر بھی بہت زیادہ اثر پڑے گا یوں برطانیہ، سکنڈے نیویا اور مغربی جرمنی جو آج مغربی سرمایہ دارنہ نظام کے نمائندہ ممالک ہیں کچھ عرصہ بعد کمیونسٹ غلبہ والے برِاعظم میں محصور ہو چکے ہوں گے کیا شمالی امریکہ کو جو طاقت کے لحاظ سے آج عروج پر ہے ایسے مستقبل کو ناگزیر سمجھ کر قبول کرتے ہوئے اپنی سرحدوں کے اندر سمٹ جانا چاہئے اور یوں خود کو اِن مخالف ریاستوں کے گھیرے میں آجانے دینا چاہئے جو بین الاقوامی منڈیوں اور خام مال تک اس کی رسائی کو محدود کر دیں؟ اور کسی بھی محاصرہ شدہ قوم کی طرح امریکہ مجبور ہو جائیگا کہ اپنی آزاد اور پُر جوش زندگی سے دستبردار ہو کر اپنے دشمنوں کی پیروی کرتے ہوئے زندگی کے ہر میدان میں حکومتی آمریت قائم کر لے۔ کیا امریکہ کے رہنماؤں کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِس قدر عظیم مسئلے سے نمٹتے وقت محض موجودہ آرام طلب نسل کے تساہل اور ہچکچاہٹ کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے یا انہیں اس اَمر پر بھی غور کر لینا چاہیئے کہ امریکیوں کی آئندہ نسلیں ان رہنماؤں سے اس بارے میں کیسا طرزِ عمل اختیار کرنے کی توقع و خواہش کریں گی؟ کیا یہ عقلمندی نہ ہوگی کہ ہم اس سلسلہ میں فوری مزاحمت کریں جنگ کو دشمن کے گھر تک لے جائیں۔ غیر ملکی سرزمین پر لڑیں اور اگر ضروری ہو تو ایک لاکھ امریکی فوجیوں اور شائد دس لاکھ شہریوں کی قربانی دے دیں لیکن امریکی طرزِ زندگی کو محفوظ اور برقرار رکھیں۔

کیا یہ دور اندیشانہ پالیسی تاریخ کے اَسباق کے مطابق نہیں ہے؟

فلسفی جواب دیتا ہے کہ یہ طرزِ فکر تاریخ میں ہمیشہ موجود رہا ہے اور اس کے تباہ کن نتائج بھی تاریخ کے اصولوں کے مطابق ہی ہوں گے البتہ تباہی کی شدت میں بے انتہا اضافہ ہو جائیگا کیونکہ موجودہ حالات میں متصادم قوتوں کی حرکت پذیری اور ان کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے اور آج کے دور میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں کی تباہ کن صلاحیت بھی بے مثال ہے لیکن بعض باتیں تاریخی حقائق اور اصولوں سے بالاتر ہیں۔ کہیں نہ کہیں، کسی وقت انسانیت کے نام پر ہمیں ہزاروں بُری مثالوں اور واقعات کو رَد کرتے ہوئے امن کے اس سنہری اصول پر عمل پیرا ہونے کی اسی طرح جرات کرنی چاہیئے جیسی کہ بدھ بادشاہ اَشوک (262 قبل مسیح) نے کی یا کم از کم وہی کریں جو آگسٹن نے اس وقت کیا جب اس نے طبریس (Tiberius) کو جرمنی پر مزید حملے کرنے سے باز رہنے کا حکم دیا تھا۔ آیئے! چین میں ایک سو ہیروشیما بنانے سے انکار کر دیں خواہ ہمیں اس انکار کی کتنی بڑی قیمت کیوں نہ دینی پڑے ایڈمنڈ برک (Edmund Burke) کا قول ہے۔

"سیاست میں عالی ظرفی ہمیشہ بہترین دانائی ہے عظیم سلطنت اور تنگ نظری کا آپس میں کوئی میل نہیں"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصور کریں کہ ایک امریکی صدر چین اور روس کے رہنماؤں سے کہہ رہا ہو!

''اگر ہم تاریخ کے طریقہ کار کی پیروی کریں تو ہمیں اس خوف کے پیش نظر آپ سے جنگ شروع کر دینی چاہئے کہ ایک نسل بعد آپ ایسا کر سکتے ہیں یا پھر 1815ء کے ''مقدس اتحاد'' کی افسوسناک مثال کی پیروی کرتے ہوئے اپنی دولت اور اپنے بہترین جوان موجودہ نظام کے خلاف کہیں بھی ہونے والی بغاوت کو دبانے میں صَرف کر سکتے ہیں۔

لیکن ہم نے ایک نئے نقطۂ نظر کو آزمانے کا بیڑہ اٹھایا ہے!

ہم آپ کے عوام کی عزت کرتے ہیں۔ اور آپ کے تمدّن کو تاریخ میں سب سے زیادہ تخلیقی تمدّنوں میں شمار کرتے ہیں۔ ہم آپ کے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور ہماری خواہش یہ ہو گی کہ آپ اپنے اداروں کو کسی بیرونی حملے یا مداخلت کے خوف کے بغیر ترقی دیں ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے باہمی اندیشے ہمیں جنگ کی جانب نہ دھکیل دیں۔ کیونکہ ہمارے اور آپ کے ہتھیاروں کی بے مثال ہلاکت خیزی نے موجود صورت حال میں ایسا عنصر شامل کیا ہے جس سے تاریخ نابلد ہے۔ ہماری تجویز ہے کہ ہم اپنے باہمی اختلافات کے خاتمے مخاصمتوں اور تخریب کاریوں کی بیخ کنی اور ہتھیاروں میں کمی کے بارے میں مستقل بات چیت کے لئے اپنے نمائندے بھیجیں جو آپ کے نمائندوں سے مل کر اس سلسلہ میں کام کریں۔

ہماری سرحدوں سے باہر جہاں کہیں بھی لوگوں کو وابستگی کے لئے ہمارا آپ سے مقابلہ درپیش ہو تو ہم اس بارے میں متعلقہ آبادی کے مکمل اور منصفانہ انتخابات کے نتائج کو قبول کرنے پر آمادہ ہونگے۔ آیئے ایک دوسرے کے لئے اپنے دروازے کھول دیں اور ثقافتی تبادلوں کا اہتمام کریں تاکہ باہمی افہام و تفہیم میں اضافہ ہو سکے۔

ہمیں اس بات کا خوف نہیں ہے کہ آپ کا معاشی نظام ہمارے معاشی نظام کی جگہ لے لیگا اور نہ ہی آپ کو اس بارے میں متفکر ہونے کی ضرورت ہے کہ مبادا ہمارا نظام آپ کے معاشی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام کو بے دَخل کر دے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہر ایک نظام دوسرے "نظام" سے کچھ نہ کچھ سیکھے گا اور اس کے ساتھ تعاون اور امن سے رہنے کے قابل ہو سکے گا شائد ہم میں سے ہر ایک، اپنے موثر دفاعی نظام کو برقرار رکھتے ہوئے، دوسری ریاستوں سے عدم جارحیت اور عدم مداخلت کے معاہدے کر سکتا ہے ان معاہدوں سے ایک ایسا عالمی نظم وضبط قائم ہو سکتا ہے جس میں ہر ایک قوم خود مختار، منفرد اور صرف اپنے اُن معاہدوں کی پابند ہوگی جو اس نے برضا ورغبت کیے ہوں۔

ہم آپ کو تاریخ کی اس حکم عدولی۔۔۔ یعنی قوموں کے درمیان تمدن اور باہمی احترام کی بنا پر تعلقات استوار کرنے کے عمل۔۔۔ میں اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں ہم تمام انسانیت کے سامنے اپنی عزت کی قسم کھا کر اس عظیم کام میں پورے خلوص اور اعتماد سے شریک ہونے کا عہد کرتے ہیں۔ اگر اس تاریخی جوئے میں ہم ہار بھی جائیں تو بھی نتائج ہماری روائتی پالیسیوں کے متوقع نتائج سے بدتر نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم اور آپ کامیاب ہو گئے تو ہم آنے والے وقتوں میں بنی نوع انسان کی شکر گزارانہ یادوں میں اپنی جگہ پیدا کر لیں گے"۔

جرنیل اس پر مسکراتا ہے۔ اس کا کہنا ہے

آپ نے تاریخ کے سب اسباق فراموش کر دیئے ہیں اور انسانی فطرت کے بارے میں اپنے ہی بیان کردہ حقائق کو بھلا دیا ہے کچھ اختلافات اس قدر بنیادی اور اہم ہوتے ہیں کہ وہ بات چیت سے دُور نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم تاریخ سے راہنمائی حاصل کریں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ طوالت پکڑ جانے والے مذاکرات کے دوران تخریب کاری جاری رہتی ہے۔ عالمی امن کسی معاہدے کے ذریعے قائم نہیں ہوگا بلکہ یہ بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک کی ایسی فیصلہ کن فتح کے ذریعے آئے گا جس کی بنا پر وہ "طاقت" بین الاقوامی قانون بنائے اور اس کے نفاذ کے قابل ہو جائے جیسا کہ آگسٹس (Augustus) سے لے کر آریلیس (Arelius) تک کے عہد میں روم کی سلطنت تھی۔ عالمی امن کے ایسے وقفے غیر فطری اور مشتبہائی ہوتے ہیں اور وہ جلد ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عسکری طاقت کی تقسیم میں تبدیلیوں کے باعث اِختتام پذیر ہو جاتے ہیں۔

آپ نے ہی ہمیں بتایا ہے کہ آدمی ایک مقابلہ کرنے والا اور مبارزت طلب حیوان ہے اس لئے اس کی ریاستیں بھی اسی کی مانند ہوتی ہیں اور قدرتی اِنتخاب (Natural Selection) کا قانون اب بین الاقوامی سطح پر لاگو ہوتا ہے ریاستیں باہمی تعاون کے لئے اسی وقت مُتحد ہوتی ہیں جب ان پر کوئی مشترکہ بیرونی حملہ ہو۔ شائد اب ہم تیزی سے مقابلہ کی ایک بلند تر سطح کی طرف گامزن ہیں۔ ہمارا رَابطہ دوسرے سیاروں یا ستاروں کی حرِیص مخلوق سے ہو سکتا ہے، اس کے بعد جلد ہی سیاروں کے مابین جنگ ہوگی۔ اس وقت صرف اسی وقت ہی ہم زمین کے رہنے والے ایک ہوں گے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارھواں باب

عروج وزوال

ہم تمدن کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ "یہ ثقافتی تخلیق کو بڑھاوا دینے والا سماجی نظم ہے" یہ ایسا سیاسی نظام ہے جسے رسوم ورواج، اخلاقیات اور قانون کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے، ایک ایسا معاشی نظام ہے جو پیداوار اور اُس کے تبادلہ کی بنا پر وجود میں آتا ہے۔ یہ تہذیبی تخلیق، خیالات، الفاظ، اطوار اور فنونِ لطیفہ کی بارآوری، جانچ پرکھ، اظہار اور پیدائش کے لئے ضروری سہولتوں اور مناسب آزادی کے ذریعے وجود میں آتی ہے تمدن تو انسانی رشتوں اور تعلقات کا ایسا نازک اور پیچیدہ گورکھ دھندا ہے جو بڑی محنت سے بنتا اور بہت جلدی تباہ ہو سکتا ہے۔

ایسا کیوں ہے کہ تاریخ تمدن کی تباہی کی داستانوں سے بھری پڑی ہے جو "شیلے" "(Shelley)" کی نظم "Ozymandias" کی مانند ہمیں یہ پیغام دیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ ہر چیز کا مقدر فنا ہو جانا ہے۔

کیا اس عروج وزوال کے عمل میں قاعدے قوانین بھی موجود ہیں؟ جن کی مدد سے ہم ماضی کے تمدنوں کا جائزہ لے کر اپنے تمدن کے مستقبل کے بارے میں کوئی پیش گوئی کر سکیں؟

کئی تخلیقی سوچ رکھنے والوں نے اس بارے میں غور کیا ہے بلکہ بہت سوں نے تو مستقبل کا تفصیلی نقشہ بھی کھینچا ہے ورجل (Virgil) نے اپنی چوتھی نظم "Fourth

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"Eclogue" میں یہ اعلان کیا کہ جب تغیر کی ساری اُپج و اختراع اپنے عروج پر پہنچ جائے گی تو یہ ساری کائنات حادثاتی طور پر یا کسی بالاتر کی مرضی سے ایک بار پھر اسی صورت میں آجائے گی جیسی کہ کبھی ماضی بعید میں ہوا کرتی تھی اور پھر تقدیری طاقت سے ایک بار پھر وہ واقعات بعینہ اُسی طرح دہرائے جائیں گے جیسے کہ وہ پہلے کبھی وقوع پذیر ہوئے تھے، اس کے اشعار کا ترجمہ کچھ یوں ہے۔

''تب ایک اور پیغمبر ٹائفس (Tiphys) ہوگا ایک اور جہاز آرگو (Argo) جیسن اور دوسرے بہادروں کو لے کر سُنہری اُون کی تلاش میں جائے گا، اسی طرح دوسری جنگیں بھی ہوں گی اور عظیم ایکلیز ایک بار پھر ٹرائے کو فتح کرنے کے لئے بھیجا جائے گا'' ۔(۱)

فریڈرک نطشے (Friedrich Nietzsche) تو اس ''اعادے'' کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ اگرچہ یہ بات بہت احمقانہ ہے لیکن فلسفیوں سے ایسی توقع کی جاسکتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے لیکن محض عمومی طور پر اور صرف دھندلے خاکوں کی صورت میں ۔ ہمیں یقیناً یہ توقع رکھنی چاہئے جیسا کہ ماضی میں ہوتا آیا ہے۔ اسی طرح مُستقبل میں بھی کچھ نئے ملک بنیں گے، کُچھ پُرانی ریاستوں کا خاتمہ ہو جائے گا، اسی طرح کچھ نئے تمدن اپنا آغاز زراعت اور مویشیوں کی افزائش سے کر کے، تجارت اور صنعت کو اپناتے ہوئے، دولت مندی کی انتہا تک پہنچ جائیں گے ۔اور خیالات و نظریات کی ماورائی سے افسانوی اور پھر حقیقت پسندانہ توجیہات ہونگی۔ نت نئی ایجادات، نظریات اور دریافتیں انسانی سوچ میں ہلچل مچا دیں گی۔ نئی نسلیں پرانے لوگوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کریں گی اور بغاوت کے بعد ''وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ'' اطاعت اور آخر میں رجعت پسندی اختیار کریں گی۔ اسی طرح نئے نئے اخلاقی تجربات کے باعث روایت کی زنجیریں ٹوٹنے

۱۔ Toyn Bee. A study of History IV 27f

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لگیں گی جو روایت پسندوں کو بڑی ہی ناگوار گزریں گی۔ بالآخر وقت کی بے نیازی کے باعث ہر جدت کا جوش و خروش ماند پڑ جائے گا اور وہ روایت کا حصہ بن جائے گی۔

تاریخ اپنے آپ کو وسیع تر تناظر میں اس لئے دہراتی ہے کہ انسان اکثر وقوع پذیر ہونے والی صورتحال اور محرکات مثلاً بھوک، خطرہ اور جنس کے زیر اثر لگے بندھے طریقوں کے مطابق ہی عمل پیرا ہوتا ہے۔ البتہ تاریخ اپنے آپ بعینہ اس لئے نہیں دُہراتی کہ انسانی فطرت میں طبعی آسانیوں اور آسائشوں کے باعث بہت تبدیلیاں آچکی ہیں۔ ایک قدیم زمانہ کے ابتدائی معاشرہ کی نسبت آج کی ترقی یافتہ اور پیچیدہ تہذیبوں میں افراد ایک دوسرے سے زیادہ مختلف اور یکتا ہیں اور بہت سی ایسی عجیب و غریب صورت احوال پیش آتی ہیں جن کے باعث جبلی ردعمل یکساں نہیں ہوتے۔ یہ تو رسوم و رواج کی بجائے عقل و استدلال کا زمانہ ہے۔ اس لئے جبلی ردعمل اور زیادہ ناقابل پیشن گوئی ہو گئے ہیں۔ اس لئے اب تو یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ مستقبل ماضی کا ہی چربہ ہوگا اب تو ہر نیا سال ایک نئی مہم کے ساتھ چڑھتا ہے۔

کچھ عالی دماغ حضرات نے تاریخ میں پائی جانے والی عمومی قسم کی اور ڈھیلی ڈھالی باقاعدگی کو بنیاد بنا کر ماضی کے حوالے سے حال اور مستقبل کے بارے میں حتمی نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرانسیسی سوشل اِزم کے بانی کومٹے ڈی سائمن (Comte Desiant Simon) نے ماضی اور مستقبل کو منظم (Organic) اور بحرانی (Critical) ادوار کے ایک دوسرے کے بعد آنے والے سلسلے میں تقسیم کیا ہے!

"انسانی ترقی کے قانون کے مطابق کسی بھی انسانی سماج میں یکے بعد دیگرے دو قسم کی صورت احوال موجود ہوتی ہے۔ ایک جسے ہم منظم دور کہہ سکتے ہیں۔ جس میں تمام انسانی افعال و اعمال بالترتیب پہلے سے طے شدہ، اور ایک عمومی نظریہ کے پابند ہوتے ہیں اور سماجی سرگرمیوں کے ماحصل کی پوری وضاحت کی گئی ہوتی ہے۔ اور دوسرا دور بحرانی کہا جاسکتا ہے۔ جس میں یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام اِجتماعی سوچ اور اجتماعی عمل اور تمام روابط ختم ہو جاتے ہیں اور تمام معاشرہ ایسے مختلف افراد کے اَنبوہ کی صورت اِختیار کر لیتا ہے۔ جو ہمیشہ ایک دوسرے سے آمادہ پیکار ہوتے ہیں۔

ان دونوں مراحل ''یعنی تنظیم اور بحران'' کے تاریخ میں دو دو اَدوار گزرے ہیں۔ ایک منظم دور تو اُس یونانی عہد سے پہلے گزرا ہے جسے ہم فلسفے کا زمانہ کہتے ہیں۔ لیکن اسے تنقید و پرکھ کا دور کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ دوسرا منظم دور اپنے ارتقاء اور تکمیل کے مختلف مراحل طے کر کے بالآخر مغربی تہذیب وتمدّن کی صورت میں جلوہ گر ہوا ہے۔ کلیسا کی تشکیل ایک نئے منظم عہد پر منتج ہوئی جس کا اختتام پندرھویں صدی میں اس وقت ہوا جب تحریکِ اصلاحِ مذہب کے راہنماؤں نے تنقید کے دور کی آمد کا اعلان کیا جو کہ ہمارے زمانے تک جاری ہے۔

''منظم'' اَدوار میں تمام ''مذہبی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی'' مسائل کے کم از کم عبوری حل ضرور دریافت ہوئے ہیں۔ لیکن جلد ہی ان حلوں کی بنیاد پر ہونے والی ترقی اور ان کے نتیجہ میں استوار ہونے والے اداروں کے زیر اثر نئی صورتحال پیدا ہوتی گئیں۔ جس کے باعث یہ حل نا کافی ہو گئے۔ تب بحرانی اَدوار۔ جو مُباحث، احتجاج اور تبدیلی کے عہد تھے۔ نے دوبارہ شک وشبہ اور انفرادیت پسندی کی فضا پیدا کر دی۔ جس کے نتیجہ میں بڑے اور بنیادی مسائل کے بارے میں لاتعلقی پیدا ہوگئی۔

''منظم'' (Organic) اَدوار میں انسان مصروف ہوتے ہیں جب کہ بحرانی (Critcal) ادوار میں وہ تخریب وتباہی میں لگے رہتے ہیں''۔(۱)

سینٹ سائمن کو یقین تھا کہ سوشل اِزم کے نفاذ سے اجتماعی اِعتقاد، تنظیم، باہمی تعاون اور اِستحکام پر مبنی ایک نیا منظم عہد جنم لے گا اگر آج کمیونزم مُعاشی وسماجی انصاف پر مبنی نیا نظام قائم کرنے میں مکمل طور پر کامیاب ہو جاتا ہے تو سینٹ سائمن کا تجزیہ اور اس کی پیش گوئی حق بجانب

۱۔ Toyn Bee. A Study of History I-199

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھی جائے گی۔

اوسوالڈ سپینگلر (Oswald Spengler)،(1880ء تا1936ء) نے اس نظریہ میں ترمیم کر کے علیحدہ علیحدہ تمدنوں میں تقسیم کر دیا ہے۔اس کے مطابق ہر تمدن پر دو اَدوار ضرور آتے ہیں! ایک تو مرکز مائل تنظیم کا دور جو ایک تہذیب کی تمام جہتوں کو یکجا کر کے اسے ایک یکتا، مربوط اور فنکارانہ تمدن کی صورت عطا کرتا ہے۔ دوسرا دورمرکز گریز بدنظمی کا ہوتا ہے۔ جس میں تمام عقائد اور تہذیب اختلافات اور تنقید کا شکار ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً انفرادیت پسندی ،تشکیک پسندی اور فنکارانہ کج روی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

جس طرح سینٹ سائمن سوشل اِزم کو ایک نئے منظم عہد سے تعبیر کرتا تھا اسی طرح سپینگلر کے خیال میں اَشرافیہ کی حکومت (Aristocracy) کا دَور ہی وہ زمانہ تھا جب انسانوں کی سوچ اور عمل میں ہم آہنگی تھی اور اس نظم و ارتباط کے باعث زندۂ جاوید فنون لطیفہ پر مبنی تہذیب نے جنم لیا!

''مغربی تہذیب کے امتیازی اوصاف 1800ء تک برقرار رہے۔ جب کہ زندگی پوری جولانیوں اور مکمل اعتماد سے رَواں دَواں تھی اور ایک مسلسل ارتقاء کے باعث اسی تہذیب میں سے گوتھک (Gothic) فنون لطیفہ سے لے کر گوئٹے اور نپولین کا جنم ہوا اس کے بعد تو بس عقل کے تابع ایک ایسی بے جان، مصنوعی اور سطحی زندگی کا آغاز ہوا ہے۔ جس کا مرکز ہمارے بڑے بڑے شہر ہیں۔ جسے یہ پتہ نہیں کہ یہ سب تو لازمی اور نا قابل تغیر قوانین کے تحت ہو رہا ہے۔ اسے تاریخ کو سمجھنے کی کوشش سے دستبردار ہو جانا چاہیے''۔(۱)

ایک نکتے پر سب مورخین کا اتفاق ہے کہ تمدن پیدا ہوتے ہیں۔ پروان چڑھتے ہیں روبہ زوال ہوتے ہیں اور بالآخر ختم ہو جاتے ہیں۔ یا پھر ان متعفن جوہڑوں کی مانند جو کہ کبھی

۱۔ Spengler, Decline of the West IP-353

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی دینے والے دریاؤں یا ندیوں کا حصہ تھے۔ یہ تمدن بھی کسمپرسی کے عالم میں گھسٹتے رہتے ہیں۔

کسی تہذیب و تمدن کی ترقی کی کیا وجوہات ہیں اور اس کے زوال کے کیا اسباب ہیں؟

آج تاریخ کا کوئی بھی طالب علم سترھویں صدی کے اس بیان کو کسی سنجیدہ توجہ کا مستحق نہیں گردانتا کہ ریاست افراد کے درمیان ایک عمرانی سمجھوتے کے نتیجے میں پیدا ہوئی یا پھر اس کا وجود حکمرانوں اور عوام کے مابین ایک رضا کارانہ معاہدے کے باعث ممکن ہوا۔ اکثر ریاستیں غالباً ایک گروہ کے دوسرے گروہ پر فتح پانے کے نتیجہ میں وجود میں آئیں۔ یہ فاتحین کے مفتوحین پر مسلسل جبر کا ثمر تھیں۔ ریاستوں کے قوانین فاتحین کے احکامات سے پیدا ہوئے۔ ان قوانین اور لوگوں کے رسوم ورواج کے اختلاط سے ایک نئے سماجی نظم نے جنم لیا۔ لاطینی امریکہ کی کئی ریاستیں تو ہمارے اسی عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں ہیں۔ جب کسی علاقہ کے قدرتی وسائل (مصر یا ایشیا کے دریا) سے فائدہ اٹھانے کی خاطر فاتحین نے وہاں کے مفتوحین کی تنظیم نو کی تو اس کے نتیجہ میں ہونے والی معاشی تبدیلیوں کے باعث ایک نئے تمدن کی بنیاد پڑی۔ حکمرانوں اور رعایا کے درمیان ایک خطرناک تناؤ کے باعث وہاں پر موجود علمی اور جذباتی سرگرمیاں قدیم قبائلی سطح سے بالاتر ہوتی گئیں۔ علاوہ ازیں کسی سرزمین کے ماحول میں کوئی بہت بڑی تبدیلی جیسے بیرونی حملے یا بارش کی مسلسل کمی۔۔۔ جن کا تدارک کرنے کے لئے بہت بڑے پیمانے پر سرگرمی یعنی عسکری قوت میں اضافہ یا آبپاشی کی نہروں کی تعمیر کی ضرورت ہو۔۔۔ بھی ترقی کے عمل کو تیز تر کر دیتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس بات کا تعین کیونکر ہو سکتا ہے کہ آیا کسی معاشرے کو درپیش چیلنج کا مقابلہ ہو سکے گا یا نہیں؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو اس معاشرے میں ایسے تخلیقی افراد کی موجودگی یا غیر موجودگی پر منحصر ہے جو پیش قدمی کی صلاحیت، واضح سوچ اور قوتِ عمل کے مالک ہوں۔ ایک نابغہ کی یہی تعریف ہے اور جو نئی صورتحال میں موثر کردار ادا کر سکیں۔ اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ ایک تخلیقی فرد "نابغہ" کیسے وجود میں آسکتا ہے تو اِس کا جواب ہمیں تاریخ کی بجائے نفسیات اور حیاتیات میں مل سکتا ہے کیونکہ اس میں ماحول کے اثرات اور توارث کی خصوصیات ورموز کا عمل دخل ہوتا ہے۔ بہر طور جب کوئی قوم کسی چیلنج کا کامیابی سے سامنا کر لیتی ہے جیسا کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ نے 1917ء، 1933ء اور 1941ء میں کیا۔ تو وہ قوم پہلے کی نسبت زیادہ حوصلہ منداور باصلاحیت ہو کر اُبھرتی ہے۔ اس میں مزید مصائب ومشکلات کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قوم اس محاذ آرائی کے دوران بالکل بے دم نہ ہو گئی ہو جیسا کہ 1945ء میں برطانیہ کے ساتھ ہوا۔

اگر عروج وترقی کے ذرائع یہ ہیں جو کہ اوپر بیان کئے گئے ہیں، تو زوال کے اسباب کیا ہیں؟

کیا ہم سپینگلر اور کئی دوسرے علماء کی مانند یہ فرض کر لیں کہ ہر تمدن ایک جاندار کی مانند ہوتا ہے جس کے اندر فطری اور پر اسرار طور پر بڑھنے کی طاقت ہوتی ہے۔ اور بالآخر فنا ہونا اس کا مقدر رہوتا ہے؟ اگر ہم اقوام کے عروج وزوال کے عمل کی علم الابدان یا طبیعات کی مثالوں سے تشریح کریں تو بظاہر بڑا ہی پرکشش لگتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کے انحطاط کی ایک جاندار کی طبعی زندگی کے خاتمے سے توجیہہ کی جائے یا پھر "طبیعات کی اصطلاح میں" اسے اُس کی اندرونی توانائی کے خاتمہ کا نتیجہ سمجھا جائے۔

ایسی مثالوں سے حالات کی عبوری توجیہہ تو ممکن ہے۔ جس طرح ہم افراد کے مجتمع ہونے کے عمل کا موازنہ خلیوں کے اکٹھا ہو کر ایک جاندار بننے کے عمل سے کر سکتے ہیں یا پھر بینکار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے واپس بینکار تک دولت کی گردش کے عمل کا دِل کے پھیلنے اور سکڑنے کے عمل کے ذریعے انسانی جسم میں خون کی گردش سے موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

لیکن گروہ یا قوم بذاتِ خود طبعی طور پر جاندار شے نہیں اگرچہ اس کے اجزاء جاندار افراد ہیں۔ کسی قوم کا "جانداروں کی طرح" نہ تو دماغ ہوتا ہے اور نہ کوئی معدہ۔ اس کی سوچ اور احساسات تو اس کے افراد کے دماغوں اور اعصاب کے حوالے سے تشکیل پاتے ہیں۔ جب کسی قوم یا تمدّن کا زوال ہوتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی اس قوم یا تمدّن کی طبعی عمر کا اختتام ہو گیا ہے بلکہ یہ زوال تو اس معاشرہ کے سیاسی یا ذہنی راہنماؤں کے بدلے ہوئے حالات کے چیلنج کا مقابلہ کرنے میں ناکامی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کسی معاشرے کو پیش آنے والے چیلنج بے شمار وجوہات کی بنا پر ہو سکتے ہیں اور بعض اوقات اُن کی شدت تباہ کُن ہو جاتی ہے۔ جیسے کبھی بارش میں کمی کے باعث نخلستان اُجڑ جاتے ہیں اور زمین خشک ہو کر بنجر ہو سکتی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ناعاقبت اندیشانہ استعمال اور احمقانہ انداز میں کاشتکاری کے باعث زمین کی زرخیزی ختم ہو جائے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ آزاد کسانوں کی جگہ غلاموں کے استعمال کے باعث پیداوار کے لئے ترغیب کم ہو جاتی ہے اور اس طرح زمین غیر کاشت شدہ رہ جاتی ہیں اور خوراک کی پیداوار میں کمی ہو جاتی ہے۔ یا پھر تجارتی راستوں میں اور آلاتِ پیداوار ورسل ورسائل میں تبدیلی۔۔۔ جیسا کہ سمندری تجارت یا ہوائی جہازوں کی ترقی۔۔۔ کی وجہ سے تمدّن کے پرانے مراکز غیر اہم اور ویران ہو جاتے ہیں مثلاً پیسا (Pisa) یا وینس (Venice) 1492ء کے بعد سمندری تجارت کے راستوں کی تبدیلی کے باعث بالکل غیر اہم ہو گئے۔

کبھی یہ ہوتا ہے کہ ٹیکسوں کی زیادتی کے باعث کئی جگہ سرمایہ کاری اور پیداواری محرک کی حوصلہ شکنی ہونے لگتی ہے۔ یا بڑھتے ہوئے مقابلہ کے باعث غیر ملکی منڈیاں اور وسائل ہاتھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نکل جاتے ہیں اور برآمدات کی نسبت درآمدات میں اضافہ کے باعث ملک میں سونے چاندی کی بے انتہا کمی ہو سکتی ہے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ دولت کے ارتکاز کے باعث کوئی قوم طبقاتی یا نسلی جنگ کا شکار ہو کر تباہ ہو جائے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی ملک کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی اور وہاں بسنے والے لوگوں کی غربت میں بے تحاشا اضافہ ہو جاتا ہے یوں حکومت کو جس مسئلہ کا سامنا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غربا کی امداد کر کے ملکی معیشت کو تباہ کرے یا پھر لوٹ مار اور انقلاب کے خطرہ کا سامنا کرنے کو تیار رہے۔

چونکہ ایک وسعت پذیر معیشت میں عدم مساوات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے ایسا معاشرہ ایک مہذب اقلیت اور ایک ایسی اکثریت میں تبدیل ہو جاتا ہے جو حالات یا قدرت کی ستم ظریفی کے باعث تہذیب کے اعلیٰ معیار ذوق سے عاری ہوتی ہے۔ جوں جوں اس اکثریت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اسی طرح تہذیب یافتہ اقلیت کے لئے ایک تہذیبی معیار قائم رکھنے میں رکاوٹ بنتی جاتی ہے۔ اُس کی بول، چال اور تفریح کا انداز، محسوسات اور معیار بالائی طبقے کو بھی متاثر کرنے لگتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ اس اکثریت کا وہ وحشیانہ پن دراصل وہ قیمت ہے جو اقلیت کو معاشی اور تعلیمی مواقع پر اپنا قبضہ رکھنے کے لئے چکانا پڑتی ہے۔

تعلیم کے عام ہونے کے باعث مذہبی نظریات و اعتقادات کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور بالآخر یہ ایسی سطح پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سے یہ "اعتقادات" انسانی طرز عمل کو متاثر نہیں کر سکتے۔ زندگی کا چلن اور نظریات تعلیم کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ سیکولر ہوتے جاتے ہیں اور ماورائی اندیشوں اور تشریحات کا انسانی اَعمال و اَفعال میں دَخل کم سے کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تعلیم کے عام ہونے کی وجہ سے یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ ضابطہء اخلاق انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں یوں اخلاقیات سے آسمانی تائید و حمایت میں کمی ہونے کی وجہ سے اس ضمن میں جوش و خروش باقی نہیں رہتا۔ قدیم یونان میں فلسفیوں نے تعلیم یافتہ طبقے کا پُرانے عقائد پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان و یقین ختم کر دیا تھا۔ جدید یورپ کے بہت سے ملکوں میں بھی فلسفیوں نے مذہبی اعتقادات کو اسی طرح ضعف پہنچایا ہے۔ دور قدیم میں جو کام پروٹاگورس (Protagoras)، ڈائیوجینز (Diogeces) ڈیموقریطس (Democritus) افلاطون (Plato) تھراسیماکس (Thrasymachus) ارسطو (Aristotle) اور اپی کیورس (Epicurus) نے کیا تھا وہی دورِ جدید میں والٹیئر (Voltaire) رُوسو (Rousseau) ہابس (Hobbes) کانٹ (Kant) نطشے (Nietzsche) سپینسر (Spencer) اور ڈیدرو (Dederot) نے انجام دیا۔ یعنی زمانۂ قدیم اور زمانۂ جدید دونوں میں ہی تجزیاتی سوچ نے اُس مذہب کا کباڑا کر دیا جس نے ضابطہ ہائے اِخلاق کو سہارا دے رکھا تھا۔ اگر چہ پرانے مذہب کے خاتمہ کے بعد ان کی جگہ نئے مذاہب پیدا ہو گئے۔ لیکن اِن کا حکمران طبقات سے کوئی واسطہ نہ تھا اس طرح یہ مذاہب ریاست کے لئے کسی طرح بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکے۔ عیسائیت سے ایک صدی پیش تر تشکیک اور لذت طلبی کا دور دورہ تھا۔ جس میں ورائیت اور سریت پر عقلیت پسندی کا غلبہ ہو گیا تھا بالکل اسی طرح آج عیسائیت کے زوال کے تقریباً سو سال بعد پھر عقلیت پسندی غالب آ چکی ہے۔

ایک ضابطۂ اخلاق کے خاتمے اور اس کی جگہ نئے ضابطۂ اخلاق کے نفاذ کا درمیانی وقفہ اِخلاقی بے راہ روی کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس عبوری وقفے کے دوران اَفراد کی اکثریت تذبذب و بے یقینی کے باعث تعیشات، بدعنوانی اور خاندان و اِخلاق کی اَبتری کا شکار ہو جاتی ہے۔ جب کہ باقی ماندہ لوگ پرانے طور طریقوں اور پابندیوں میں جکڑے رہتے ہیں۔ اس اَبتری کے دور میں حُب الوطنی کے جذبات بھی سَرد پڑ جاتے ہیں اور نہایت کم لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ''اپنے ملک کے لئے جان دینا نہایت ہی قابلِ عزت اور عظیم کام ہے'' قیادت کی نااہلی کے باعث اندرونی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلفشار ملک کو کمزور کر دیتا ہے۔ اس صورت حال میں کسی جنگ میں فیصلہ کن شکست اس ملک و قوم اور معاشرے کے لئے آخری ضرب کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی بیرونی حملہ آوروں کا وحشیانہ پن اس قوم کی اندرونی وحشت و بربریت سے مل کر اس تمدن کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

انسان کے تعمیر کردہ ہر تمدن کا یہی انجام ہے!

کیا تمدن کے خاتمہ کی یہ صورت حال مایوس کن نہیں؟

ہم اسے مکمل طور پر مایوس کُن بھی نہیں کہہ سکتے۔ خواہ انسان ہو یا اقوام اور ریاستیں۔ کسی کو بھی اَبدی زندگی کا دعوٰی نہیں۔ موت تو اٹل ہے۔ لیکن اگر یہ موزوں وقت پر آئے تو یہ کسی حد تک قابل معافی اور مُفید بھی ہے۔ ایسے میں باشعور لوگ اس کی آمد کا برا نہیں مانتے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تمدّن حقیقتاً مر جاتے ہیں؟

اس کا جواب پھر وہی ہے کہ مکمل طور پر نہیں۔ یونانی تمدّن حقیقتاً مردہ نہیں ہوا۔ صرف اس کا ڈھانچہ ختم ہو گیا ہے اور اس کا گہوارا تبدیل اور وسیع تر ہو چکا ہے۔ یہ اب نسلوں کے حافظوں میں زندہ ہے اور اس کی وسعت و گہرائی کا یہ عالم ہے کہ ایک زندگی میں خواہ وہ کتنی ہی طویل اور بھرپور کیوں نہ ہو اس کا اَحاطہ نہیں ہو سکتا۔ آج ہومَر (Homer) کے قارئین کی تعداد اس کے اپنے زمانے اور اپنی سرزمین سے تعلق رکھنے والے قارئین سے بہت زیادہ ہے۔ آج یونانی شعراء اور مفکر ہر کالج میں موجود ہیں۔ آج اَفلاطون کے افکار کا مطالعہ کرنے والے لاکھوں ہیں جو فلسفے کی لازوال مسرتوں کے متلاشی اور زندگی کے حقائق کا فلسفیانہ تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ تخلیقی اَذہان و سوچ کی یہ منتخب بقاء اَبدیت کی نہایت اعلیٰ اور حقیقی مثال ہے۔

قومیں ختم ہو جاتی ہیں۔ پرانے زرعی علاقے بنجر ہو جاتے ہیں یا کسی اور قسم کی تبدیلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تب مستقل مزاج انسان اپنے اوزار اور اپنے فنون لطیفہ کو ساتھ لے کر وہاں سے کُوچ کر جاتا ہے اور ساتھ اپنی یادیں بھی لے جاتا ہے۔ تعلیم اِن یادوں کو مزید وسعت و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گہرائی دیتی ہے اس طرح تمدّن بھی اس کے ساتھ ساتھ ہجرت کر کے کسی نئی جگہ بسیرا کر لیتا ہے۔اس نئی سرزمین میں وہ انسان بالکل نئے سرے سے آغاز نہیں کرتا اور اسے مقامی آبادی کا تعاون بھی حاصل ہوتا ہے۔ذرائع مواصلات وآمدورفت اس کا تعلق اس کے آبائی وطن سے قائم رکھتے ہیں رومیوں نے یونانی تہذیب درآمد کی اور پھر اسے مغربی یورپ تک پھیلایا۔امریکہ نے یورپی تمدّن سے استفادہ کیا اور اب اسے آگے پھیلانے کے لئے تیار ہے۔اور اس تمدن کی اشاعت کے لئے جو تکنیک استعمال ہوگی اس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔

انسانی تمدن تو روح انسانی کے پھیلاؤ کا مظہر ہے۔جس طرح زندگی دوبارہ ظہور پا کر موت پر غالب آجاتی ہے اسی طرح کہن سالہ تہذیب اپنا ورثہ آنے والے زمانوں اور دوسری سرزمینوں کو منتقل کر کے اپنی حیات نو کا سامان کر لیتی ہے۔حتیٰ کہ آج جب یہ الفاظ لکھے جا رہے ہیں اس وقت تجارت،مواصلات،ریڈیو،ٹیلیفون اور دیگر ذرائع رسل وسائل کے باعث قومیں اور تمدن ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔اور اس طرح بنی نوع انسان کے مشترکہ ورثہ کی حفاظت پوری انسانیت کے لئے کی جا رہی ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیرھواں باب

کیا انسان نے واقعی ترقی کی ہے؟

تاریخ عالم کے مطالعہ کے دوران ہم قوموں، اخلاقی اصول وضوابط اور مذاہب کے عروج وزوال کے پیش منظر میں انسانی ترقی کے بارے میں شکوک وابہام کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ بسا اوقات ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آیا ہر نسل کا اپنے آپ کو "جدید اور ترقی یافتہ" قرار دینے کا دعویٰ محض بے کار اور روائتی طور پر ڈینگ ہانکنے کے مترادف تو نہیں؟۔

چونکہ ہم نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اب تک کے تاریخی ادوار کے دوران انسانی فطرت میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی ہے اس لئے تمام تر تکنیکی ترقی کو محض یہ سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ یہ تو پرانے مقاصد ـــ اشیاء کے حصول، یا جنسِ مخالف تک رسائی، مقابلہ میں کامیابی و جنگ میں فتح ـــ کے حصول کے نئے ذرائع ہیں۔ موجودہ صدی میں ہم جن بہت سے حقائق سے روشناس ہوئے ہیں ان میں سے ایک حوصلہ شکن انکشاف یہ بھی ہے کہ سائنس انسانی احساسات وجذبات کے بارے میں غیر جانبدار ہے۔ یہ جس قدر مستعدی سے مریضوں کو صحت یاب کر سکتی ہے اسی تیزی سے انسانوں کو موت کے گھاٹ بھی اتار سکتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ تعمیر کی نسبت تخریب کا عمل سائنس زیادہ تیز رفتاری سے کر سکتی ہے۔ فرانس بیکن (Francis Bacon) کا یہ فخریہ مقولہ آج کس قدر غیر اہم لگتا ہے کہ "علم طاقت ہے"

بعض اوقات ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ اور نشاۃ ثانیہ کے عہد کے لوگ جو سائنسی علوم اور طاقت کے حصول کی نسبت دیو مالا اور فنون لطیفہ پر زیادہ توجہ دیتے تھے ہم لوگوں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسبت ۔۔۔ جو اپنے مقاصد میں کوئی بہتر تبدیلی پیدا کیے بغیر اپنے آلات کار کی قوت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیے جا رہے ہیں ۔۔۔ زیادہ عقلمند تھے۔

بلاشبہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہم نے ترقی کی ہے لیکن یہ ترقی بھی قباحتوں سے خالی نہیں ہے۔ سہولتوں اور آسائشوں نے ہماری جسمانی قوتِ برداشت اور اخلاقی طاقت کو کمزور کر دیا ہے ہم نے اپنے ذرائع آمد و رفت کو بہت ترقی دے دی ہے لیکن ہم میں سے ہی کچھ لوگ اِن ترقی یافتہ ذرائع کو جرائم کے ارتکاب اور اپنے ساتھی انسانوں کی یا خود اپنی ہلاکت کے لئے استعمال کرتے ہیں ہم نے اپنی رفتار کو دُگنا، تِگنا بلکہ سوگنا بڑھا لیا ہے لیکن اس عمل کے دوران ہم نے اپنے اَعصاب تباہ کر لئے ہیں ہم میں اور عہدِ وحشت کے انسانوں میں رفتار کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں ہے یہ درست ہے کہ جدید طب نے بہت زیادہ ترقی کی ہے لیکن علاج معالجے کی اس ترقی کو ہم اسی وقت ہی سراہنے کے قابل ہونگے اگر اسکی بنا پر اصل امراض سے بھی بدتر ذیلی اثرات پیدا نہ ہوں۔ نئی نئی بیماریوں اور جراثیم کی روز افزوں مزاحمت کے خلاف ڈاکٹروں کی تندہی اور مشقت بلاشبہ قابل تعریف ہیں اور ہم طبی سائنس میں ترقی کے باعث اوسط انسانی عمر میں اضافہ کے لئے شکرگزار ہوں گے بشرطیکہ زندگی میں ہونے والا یہ اضافہ محض بیماری معذوری اور اُداسی کے بوجھل لمحے نہ ہوں۔

آج روئے زمین پر ہونے والے روزمرہ کے واقعات کے بارے ہماری باخبر رہنے اور ان کو بیان کرنے کی صلاحیت پہلے سے سوگنا بڑھ گئی ہے۔ لیکن کبھی کبھار ہمیں اپنے اپنے آباؤ اجداد پر رشک آتا ہے جن کے پُرسکون ماحول میں اپنے گاؤں کی کوئی خبر سن کر دِھیما سا خلل پڑ جاتا تھا۔

اگرچہ ہم نے ہنرمند کاریگروں اور درمیانہ طبقے کے حالات کو قابل رشک حد تک بہتر بنا لیا ہے۔ لیکن ہمارے شہروں میں گندی اور غلیظ گلیوں اور قابل نفرت تاریک بستیوں کے ناسور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پَل رہے ہیں۔

ہم مذہب سے چھٹکارا پانے کی خوشی میں خوب بغلیں بجاتے ہیں لیکن کیا ہم مذہب سے علیحدہ کوئی ایسا فطری ضابطہ اخلاق تشکیل دینے میں کامیاب ہوگئے ہیں جس میں اتنی قوت ہو کہ وہ ہماری اشیاء کے حصول، جھگڑالوپن، اور جنسی جبلتوں کو قابو میں رکھ سکے۔ تاکہ ہم اپنے جبلی تقاضوں کے زیراثر اپنے اس تمدن کو لالچ، جُرم اور جنسی بے راہ رَوی کی دلدل میں نہ دھکیل دیں؟

کیا ہم نے مذہبی تعصب اور ناروا داری کو بالکل خیرباد کہہ دیا ہے یا پھر یہ تعصبات اب قومی نظریاتی اور نسلی منافرتوں میں بدل گئے ہیں؟ کیا ہمارے اخلاق وعادات اور اطوار پہلے کی نسبت بہتر ہیں یا بدتر؟ انیسویں صدی کے ایک سیاح کا کہنا ہے۔

''جوں جوں ہم مشرق سے مغرب کو جائیں تو اخلاقی طور اُطوار بد سے بدتر ہوتے جاتے ہیں۔ یہ ایشیا میں بُرے یورپ میں بدتر اور امریکہ کی مغربی ریاستوں میں بدترین ہیں''۔

اب تو مشرق بھی اس معاملہ میں مغرب کی پیروی کر رہا ہے!

کیا ہمارے قوانین مجرموں کو معاشرے اور ریاست کے مقابلہ میں بہت زیادہ تحفظ فراہم نہیں کرتے؟

کیا ہم نے اپنے آپ کو اپنے ظرف سے زیادہ ذہنی آزادی نہیں دے دی؟

کیا آج ہم ایسی اخلاقی اور سماجی اَبتری کے دہانے پر نہیں کھڑے جہاں اپنے بچوں کی بے راہروی سے خوفزدہ ہوکر والدین دوبارہ مذہب / کلیسا کی طرف رجوع کریں گے اور ان میں نظم وضبط اور اخلاق کی بحالی کے لئے مُطلق ذہنی آزادی سے دستبردار ہوکر، مذہب کا سہارا لیں گے؟

کیا ڈیکارٹس (۱)(Descartes) سے لیکر اب تک فلسفہ کی تمام ترقی غلط نہج پر ہوئی

۱۔ فرانسیسی فلاسفر اور ریاضی دان (1596ء تا 1650ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ یہ انسان کی تالیف اور اس پر قابو پانے میں روحانیت کے کردار کو سمجھنے میں ناکام رہا ہے۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے۔ ''جو اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے وہ اپنے دکھوں میں بھی اضافہ کر لیتا ہے ''کیونکہ زیادہ دانائی ہی زیادہ غم کا سبب ہے''۔

کیا کنفیوشس (۱)(Confucius) سے لیکر اب تک فلسفہ میں کوئی ترقی ہوئی ہے؟

یا کیا اسکائی لس (۲)(Aeschylus) سے اب تک ادب میں کوئی ترقی ہوئی ہے؟

کیا ہمیں یقین ہے کہ طاقتور آرکسٹراؤں اور انکی پیچیدہ صورتوں کے باوجود ہماری موسیقی پلسٹر نیا (Aplestrina) کی موسیقی سے زیادہ پر اثر ہے یا دور قدیم کے عربوں کے سادہ سازوں کی لے پر گائے ہوئے تہاراگوں کی نسبت اس میں زیادہ غنائیت اور کشش ہے؟

ایڈورڈ لین (Edward Lane) نے قاہرہ کے موسیقاروں کے بارے میں کہا ہے ''کسی اور موسیقی کی نسبت جو میں نے کبھی سنی مجھے ان کے گیتوں نے زیادہ مسحور کیا ہے''

کیا ہمارے آج کے فن تعمیر کا --- اگرچہ یہ بہت متاثر کن، تخلیقی اور دلیرانہ ہے --- قدیم مصر یا یونان کے مندروں کی تعمیر سے کوئی موازنہ ہو سکتا ہے؟

کیا ہماری سنگتراشی شیفرن (Chephren) یا ہرمز (Hermes) کے مجسموں کا مقابلہ کر سکتی ہے؟

یا ہمارے دور کی کندہ کاری کا پرسی پولیس (۳)(Persepolis) یا پارتھینن (۴)(Parthenon) کی کندہ کاری سے کوئی موازنہ کیا جا سکتا ہے؟

۱۔ چینی فلاسفر۔ استاد (577 تا 479 ق م)   ۲۔ قدیم یونان کے المیہ ڈراموں کا مصنف (525 تا 456 ق م)

۳۔ جنوبی ایران کا قدیم تباہ شدہ شہر۔ فارس کا دارالحکومت   ۴۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں تعمیر شدہ اتھنا کا مندر۔ جسکی کندہ کاری لاجواب ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا آج کی مصوری وان ڈائیک(۱) (Van Dyck) یا ہالبئین (۲) (Holbein) کی تصویروں کا جواب پیش کر سکتی ہے؟

اگر ”تمدن اور آرٹ کا اصل جوہر خلفشار (Chaos) کو ترتیب (Order) میں بدلنا ہے“ تو کیا آج کی امریکہ اور مغربی یورپ کی مصوری ترتیب کو خلفشار میں تبدیل نہیں کر رہی؟ کیا یہ اس بات کی واضح علامت نہیں کہ ہمارا تمدن پریشاں نظری اور بے صورتی کی بنا پر تباہی کی جانب گامزن ہے؟

تاریخ ہمارے احساسات ونظریات سے اس قدر بے نیاز ہے کہ ہم واقعات کا اپنی مرضی سے انتخاب کریں تو اس سے کسی بھی طرح کے نتائج نکال سکتے ہیں۔ اگر ہم رجائی پہلو سے اپنے شواہد کا انتخاب کریں تو انسانی ترقی کے بارے میں ہمیں کافی اطمینان بخش نتائج حاصل ہو سکتے ہیں لیکن پہلے ہمیں یہ ضرور طے کر لینا چاہیے کہ ترقی سے ہماری مراد کیا ہے؟ اگر ترقی کا مفہوم انسانی خوشی میں اضافہ تصور کیا جائے تو بالکل سرسری نظر میں ہی اس بات کا علم ہو جائے گا کہ ہم اس بارے میں ناکامی سے دوچار ہیں۔ انسانوں کی غیر مطمئن رہنے کی صلاحیت تقریباً لامحدود ہی ہے خواہ ہم کتنی ہی مشکلات پر قابو پالیں، کتنے ہی خوابوں کی تعبیر ہمیں مل جائے، ہم اپنے آپ کو انتہائی پریشان حال اور قابلِ رحم ثابت کرنے کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر ہی لیتے ہیں اِس دنیا اور اِس میں بسنے والوں کو اپنا دشمن قرار دے کر ہمیں ایک پوشیدہ سی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ویسے بھی اگر ترقی سے مراد خوشی میں اضافہ ہی تصور کیا جائے تو اس سے یہ احمقانہ نتیجہ نکلے گا کہ بچہ ایک جوان یا ایک پختہ العمر شخص کے مقابلہ میں زندگی کی زیادہ ترقی یافتہ شکل ہے کیونکہ ظاہر ہے زندگی کی ان تینوں حالتوں میں بچہ ہی سب سے زیادہ مسرور رہتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا ترقی کی کوئی زیادہ معروضی تعریف ممکن ہے؟

۱۔ انگلستان کا مشہور مصور (1599ء تا 1641ء) ۲۔ جرمن مصور (1465ء تا 1524ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ہم ترقی کی تعریف زندگی کے اپنے ماحول پر قابو پانے کی صلاحیت میں اضافہ کی صورت میں کریں تو یہ انتہائی واقعیت پسندانہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ایک ایسا معیار ہے جس کا اطلاق حقیر ترین جاندار سے لیکر انسانوں تک سب پر ہوسکتا ہے۔

ہمیں ترقی کو اس بات سے مشروط نہیں کرنا چاہئے کہ یہ مسلسل اور عالمگیر ہو۔ جس طرح ایک ترقی کرتے ہوئے فرد کی زندگی میں ناکامی، تھکاوٹ اور آرام کے وقفے آتے ہیں اسی طرح تاریخ انسانی میں انحطاط یا تنزل کے اَدوار بھی موجود رہے ہیں۔ تاہم اگر کسی مرحلہ میں ماحول پر قابو پانے کی صلاحیت میں اضافہ ہو تو ہم یہ کہیں گے کہ اُس دور میں حقیقتاً ترقی ہوئی ہے اگر تاریخ کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ تقریباً تاریخ کے ہر دور میں بعض قومیں ترقی کر رہی ہوتی ہیں اور بعض زوال پذیر ہوتی ہیں۔ جیسے آج کا روس ترقی کر رہا ہے اور انگلستان روبہ زوال ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ایک قوم زندگی کے کسی شعبہ میں ترقی کر رہی ہو اور کسی دوسرے شعبہ میں زوال کا شکار ہو۔ جس طرح آج کل امریکہ ٹیکنالوجی میں ترقی کر رہا ہے لیکن تصویر کشی و مصوری کے میدان میں انحطاط کا شکار ہے۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امریکہ اور آسٹریلیا جیسے نو آباد ملکوں میں ذہنی صلاحیتوں کا رجحان مصوری، شاعری اور ادب یا مجسمہ سازی کی نسبت عملی، ایجاداتی، سائنسی یا انتظامی شعبوں کی طرف زیادہ ہے تو ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ماحول پر قابو پانے کی سرگرمی یعنی ترقی کے سفر میں ہر دور اور علاقے کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق بعض صلاحیتوں کی نسبت کچھ دوسری مخصوص قسم کی صلاحیتوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لئے جب کسی مخصوص علاقے یا دور میں ہونے والی ترقی کا جائزہ لیں تو اس کا موازنہ سارے ماضی کی منتخب بہترین کاوشوں سے نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارا مسئلہ تو یہ دیکھنا ہے کہ آیا ایک عام آدمی کی اپنے ماحول پر قابو پانے کی صلاحیت میں اضافہ ہوا ہے یا نہیں؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج کے دور کو بے حد تشویش ناک، پُر اختلال، اور ظالمانہ سمجھا جاتا ہے لیکن اگر ہم دُور اندیشانہ نقطۂ نظر اختیار کر کے اس دورِ جدید کے انسانوں کی حالت کا موازنہ قدیم زمانے کے لوگوں میں موجود جہالت، توہم پرستی تشدد اور بیماریوں سے کریں تو ہمیں موجودہ دور کے بارے میں کوئی مائوسی یا پریشانی نہیں ہوگی۔

گرچہ متمدن ریاستوں میں بھی پست ترین طبقات کی حالت عہدِ وحشت کے انسانوں سے ذرا ہی بہتر ہے لیکن اِن طبقات سے اوپر کی سطح پر لاکھوں لوگ اَیسے ذہنی اور اِخلاقی معیار پر پہنچ گئے ہیں جو ابتدائی دور کے انسانوں میں شاذ و نادر ہی موجود ہو۔

شہری زندگی کی پیچیدگیوں سے تنگ آکر ہم بعض اوقات تخیلاتی طور پر غیر متمدن زندگی کے سادہ طور طریقوں میں پناہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن تصورات کی دنیا سے باہر آکر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ یہ تو محض اپنے حقیقی فرائض سے فرار کا عمل ہے کئی دوسرے رجحانات کی طرح ہمارے نوجوانوں میں قدیم وحشی لوگوں اور ان کے طرزِ زندگی کو پسند کرنے کا رجحان بھی عام ہے۔ دراصل یہ رجحان نو بلوغت کی اپنے ماحول سے نا مطابقت پذیری (Adolescent Maladaption) کا ایک بیتابانہ اظہار ہے۔ کیونکہ نوعمری میں شعوری صلاحیت نہ تو ابھی پختگی کو پہنچی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے صحیح اظہار کا موقع میسر آیا ہوتا ہے آپ ذرا سوچیں جو "بامروّت اور زور آور وحشی" ان کے تصور میں بستا ہے وہ حقیقتاً اپنی گندگی، کیڑے مکوڑوں اور اپنے چھرے سمیت کس قدر محظوظ کن ہوگا!

قدیم وحشیوں کے جو بچے کھچے قبائل موجودہ دور میں موجود ہیں ان کی زندگی کے مطالعہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اُن میں بچوں کی شرحِ اَموات بہت زیادہ اور ان کی اپنی اوسط عمر موجودہ دور کے انسانوں کی نسبت بہت کم ہے اس کے علاوہ ان کی قوتِ برداشت اور رفتار، اور بیماریوں کے خلاف مدافعت کی قوت بھی کم ہے۔ اگر زندگی کی طوالت کو ماحول پر قابو پانے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلاحیت کا معیار سمجھا جائے تو شرح اموات کے اعداد و شمار انسانی ترقی کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ کیونکہ پچھلی تین صدیوں کے دوران یورپی اور امریکی سفید فاموں کی درازی عمر میں تین گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تجہیز و تکفین کرنے والوں کے ایک کنونشن میں اس امر پر بحث ہوتی رہی کہ موت سے حضرت انسان کی ملاقات میں بڑھتی ہوئی تاخیر کے باعث ان کے کاروبار کو لاحق ہونے والے خطرات سے کیسے نمٹا جائے--- لیکن اگر گورکن بدحال ہوں تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہئے کہ حقیقتاً ترقی ہو رہی ہے!

قدیم یا جدید دور میں سے کون سا زمانہ بہتر ہے؟ اس بحث کا نتیجہ کسی طرح بھی مکمل طور پر عہد قدیم کے حق میں نہیں جاتا ہے۔ کیا ہم اسے معمولی کارنامہ کہیں گے کہ آج جدید ریاستوں میں قحط کا نام و نشان مٹ گیا ہے۔ اور ایک ملک اتنی خوراک پیدا کر سکتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو بھرپور طریقے سے پوری کرنے کے بعد بھی ضرورت مند اقوام کو لاکھوں کروڑوں بشل گندم بھیج دیتا ہے؟ کیا ہم سائنس کو خیر باد کہہ سکتے ہیں جس نے توہم پرستی، خرد دشمنی اور مذہبی تنگ نظری کا خاتمہ کر دیا ہے؟ یا ٹیکنالوجی سے جان چھڑا لیں گے جس کے استعمال و افادیت کی کوئی مثال قدیم زمانے میں نہیں ملتی؟

ماضی کے قصیدے پڑھنے والوں سے دریافت کیجئے کہ کیا وہ واقعی برطانوی پارلیمنٹ یا امریکن کانگریس پر ایتھنز کی ایگورا (Agora)(۱) یا روم کی کومیٹیا (Comitia)(۲) کو ترجیح دیں گے؟

کیا ہم ان دساتیر کے تحت رہنے کی بجائے جو ہمیں حبس بے جا کے خلاف قانونی کاروائی، جیوری کے ذریعے مقدمہ کی سماعت، مذہبی اور ذہنی آزادی اور خواتین کی آزادی جیسے حقوق عطا کرتے ہیں، یونانی جمہوریہ یا رومی سلطنت کے قوانین کے تحت رہنا پسند کریں گے؟

۱۔ قدیم یونان کی اسمبلی ۲۔ قدیم روم کی قانون ساز اسمبلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرچہ ہماری اخلاقی حالت کافی خراب ہے لیکن کیا یہ جنسی اخلاق باختہ السی بائیڈیس(۱) (Alcibiades) سے بھی بدتر ہے؟ کیا کوئی امریکی صدر پیریکلیس (Pericles)(۲) کی پیروی کرتے ہوئے ایک طوائف کے ساتھ رہنے کی کھلم کھلا جرات کرسکتا ہے؟

کیا ہماری عظیم یونیورسٹیاں، بے شمار عظیم الشان اشاعت گھر اور ہزاروں عالی شان لائبریریاں ایسی چیزیں ہیں جو ہمارے لئے باعث شرمندگی و پشیمانی ہوں؟

ایتھنز میں بہت عظیم ڈرامہ نگار پیدا ہوئے، لیکن کیا ان میں سے کوئی شیکسپیئر سے عظیم تر بھی تھا؟ کیا ارسٹو فینز(۳) (Aristophanes) کی تحریروں میں مولیئر (۴)(Moliere) کی تحریروں کی نسبت زیادہ گہرائی اور انسان دوستی ملتی ہے؟
کیا ڈیمو ستھنز (۵) (Demosthenes)، آئسو کریٹس(۶) (Isocrates) اور ایسکائینز(۷)(Aeschines) خطابت وتقریر کے فن میں چیتھم (۸)(Chatham)، برک(۹)(Burke) اور شیریڈان(Sheridan) سے بہتر تھے؟

۱۔ یونانی سیاستدان اور جرنیل (404-450 ق م) ۲۔ ایتھنز کا سیاستدان اور جرنیل (429 ق م)
۳۔ طنز و مزاح لکھنے والا یونانی مصنف (380-448 ق م) ۴۔ فرانسیسی مزاحیہ ڈرامہ نگار (1673-1622ء)
۵۔ یونانی مدبر اور مقرر (322-385 ق م) ۶۔ یونانی فلاسفر اور مقرر (338-436 ق م)
۷۔ ڈیمو ستھنز کا حریف اور مد مقابل مقرر (314-389 ق م) ۸۔ انگریز مدبر اور مقرر (1778-1708ء)
۹۔ انگریز مقرر اور مدبر۔ انقلاب فرانس کا مخالف (1729-1797ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا گبن (۱)(Gibbon) کا رتبہ ہیروڈوٹس (۲)(Herodotus) یا تھوسائیڈیڈیس (۳)(Thuscydides) سے کم ہے؟ کیا قدیم نثر پاروں میں سے کسی بھی تحریر کا جدید ناول کی وسعت اور گہرائی سے کوئی موازنہ ہو سکتا ہے؟

ہم صرف فنون لطیفہ کے میدان میں عہد قدیم کی برتری کا دعوی تسلیم کر سکتے ہیں اگرچہ ہم میں سے کچھ اب بھی پارتھینن (Parthenon) پر پیرس کے نوٹرے ڈیم (NotreDame) کو ترجیح دیں گے۔

اگر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بانی مبانی آج امریکہ میں واپس آ جائیں۔ یا فوکس (Fox) اور بینتھم (Bentham) کی انگلستان میں، والٹیر (Voltaire) اور دیدرو (Dederot) کی فرانس میں مراجعت ہو جائے تو کیا وہ ہماری اس ناسپاس گزاری کے لئے ہماری سرزنش نہیں کریں گے کہ اس قدر خوش نصیب ہونے کے باوجود کہ ہمیں تاریخ کے بہترین دور میں زندگی گزارنے کا موقعہ ملا ہے ہم اس خوش بختی پر نازاں ہونے کے بجائے اظہار افسوس کرتے ہیں؟ آج کے دور میں ہمیں جو سہولتیں اور آزادیاں میسر ہیں وہ پیریکلیز (Pericles) یا آگسٹن کے عہد میں بھی عوام کو حاصل نہ تھیں جسے ماضی کا بہترین زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

ہمیں یہ سوچ کر زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ ہماری تہذیب بھی دوسری تہذیبوں کی مانند ایک دن ختم ہو جائے گی۔ موت سب کا مقدر ہے جیسے فریڈرک (Frederick) نے کولن (Kolin) کے مقام پر اپنے بھاگتے ہوئے سپاہیوں سے پوچھا تھا ''کیا تم ہمیشہ زندہ رہو گے؟'' بلکہ شائد یہ زیادہ بہتر ہے کہ زندگی نئی صورتیں اختیار کرے، نئی تہذیبیں اپنی باری پر نئے مراکز سے جنم لیں۔ اسی دوران ممکن ہے کہ اُبھرتے ہوئے مشرق کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کی

۱۔ انگریز مورخ (1737-1794ء) ۲۔ پانچویں صدی قبل مسیح کا یونانی مورخ بابائے تاریخ کے نام سے مشہور
۳۔ قدیم ایتھنز کا مورخ (417-400 ق م)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوشش میں مغرب ایک بار پھر توانائی حاصل کرے۔

ہم پہلے بھی یہ کہ چکے ہیں کہ کسی بھی عظیم تمدن کا مکمل خاتمہ نہیں ہوتا۔ قوموں کے عروج وزوال کی تمام گہما گہمی کے دوران کچھ بیش قیمت کامیابیاں ہمیشہ زندہ رہی ہیں۔ مثلاً آگ اور روشنی کی دریافت، پہیئے اور دوسرے بنیادی اوزاروں کی ایجاد، زبان، فن تحریر، آرٹ اور موسیقی، زراعت، خاندان اور والدین کی بچوں کی دیکھ بھال ونگہداشت، اس کے علاوہ سماجی تنظیم کا عمل، اخلاقیات، خیرات وسخاوت، خاندان اور نسل کے علم کو آگے منتقل کرنے کے لئے درس وتدریس کا عمل۔۔۔ یہ تمدن کے بنیادی عناصر ہیں۔ اور یہ ایک تمدن سے دوسرے تمدن کی جانب دشوار گزار سفر کے دوران بڑے مستحکم طریق پر قائم رہتے ہیں۔ یہ تاریخ انسانی کے مختلف ادوار کو باہم متعلق کرنے والے عناصر ہیں۔

اگر تعلیم کو تمدن کی اشاعت کا عمل سمجھا جائے تو بلاشبہ ہم ترقی کر رہے ہیں۔ تمدن موروثی نہیں ہوتا۔ اسے ہر نسل نئے سرے سے سیکھتی اور حاصل کرتی ہے اگر اس کی ترویج واشاعت میں ایک صدی کا وقفہ پڑ جائے تو تمدن کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہم پھر سے دور وحشت میں جا پہنچیں گے۔ اس لئے ہماری عصر حاضر کی اعلیٰ ترین کامیابی سب لوگوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے مواقع فراہم کرنے کے سلسلہ میں محنت اور دولت کا اس قدر اعلیٰ پیمانے پر استعمال کرنا ہے جس کی پہلے کبھی مثال نہیں ملتی۔ کسی زمانے میں کالجوں کو عیاشی تصور کیا جاتا تھا جو صرف امیر طبقات کے مرد حضرات کے لئے بنائے گئے تھے۔ آج یونیورسٹیاں اس قدر زیادہ ہیں کہ جو چاہے پی ایچ ڈی کر سکتا ہے۔ ہم شائد عہد قدیم کی منتخبہ علم وحکمت پر سبقت نہ حاصل کر سکے ہوں لیکن ہم نے علم کی اوسط سطح کو اس حد تک بلند کر دیا ہے جو اس سے پہلے کسی بھی تاریخی دور میں ممکن نہ تھی۔

آج کے دور کے بارے میں یہ شکوہ کرنا کہ ہم تعلیم کی اتنی وسیع پیمانے پر اشاعت کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوجود ابھی تک پچھلے دس ہزار سالوں کے توہمات اور غلطیوں کا قلع قمع نہیں کر سکے ہیں، نہایت بچگانہ بات محسوس ہوتی ہے۔ تعلیم کو عام کرنے کے اس عظیم الشان تجربے کا ابھی تو آغاز ہے۔ اور یہ تجربہ غیر ارادی طور پر یا یادوں میں جاگیزیں جہالت کے پیش نظر ہونے والی بے تحاشا افزائشِ نسل کی بنا پر ناکام بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر ہر بچے کو بیس سال کی عمر تک لازمی تعلیم دی جائے اور یونیورسٹیوں، لائبریریوں، عجائب گھروں تک جہاں نسلِ انسانی کے علمی اور فنی خزانے استفادہ کے لئے موجود ہیں اس کی آزادانہ رسائی ہو تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اِس تجربے کے نتائج کیا ہونگے؟

ذرا اس صورتحال کا تصور کریں کہ جب تعلیم واقعات وحقائق، تواریخ اور ادوارِ حکومت کے بارے میں معلومات کے ایک ایسے تکلیف دہ مجموعے کی بجائے کہ جس کی افادیت محض اتنی ہو کہ وہ ایک فرد کو اپنی روزی کمانے کے قابل بنائے انسان کے زندگی کو سمجھنے، اس پر قابو پانے، اس کی تزئین وآرائش کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے عمل کو وسعت دینے کی خاطر ہمارے ذہنی، اخلاقی، تکنیکی اور جمالیاتی ورثہ کو ممکنہ بھر پور انداز میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پھیلانے کا عمل ہوگی!

ہمارا ورثہ جس کی اشاعت ہم نہایت بھر پور طریقے پر کرنے کے قابل ہیں ماضی کے کسی بھی دور کے ورثہ کی نسبت زیادہ بیش قیمت ہے۔ ہمارا یہ تمدنی ورثہ پیریکلس (Precles) کے عہد کے تہذیبی وعلمی سرمائے سے اس بنا پر برتر ہے کہ اس میں اس دور کے یونانی علوم وفنون سب شامل ہیں اسے لیونارڈو (Leonardo) کے تمدنی ورثہ سے بیش قدر اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ اس میں لیونارڈو کے فنون اور اطالوی نشاۃ ثانیہ کی تمام خوبیاں جمع ہیں۔ ہمارا تہذیبی ورثہ والٹیئر (Voltiare) کے دور کے علمی وتہذیبی سرمائے سے اس لئے زیادہ بہتر ہے کہ اس میں فرانسیسی خردِ افروزی (French Enlightenment) اور اس کا عالمگیر پھیلاؤ سب موجود ہیں۔

ہمارے شکوے شکایتوں سے قطع نظر اگر موجودہ عہد میں واقعی ترقی ہوئی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہم پیدائشی طور پر ماضی میں پیدا ہونے والے بچوں کی نسبت زیادہ صحت مند، بہتر یا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ عقلمند ہیں۔ بلکہ یہ ترقی تو اس بنا پر ہوئی ہے کہ ہم ماضی کی نسبت زیادہ بیش قیمت علمی، تہذیبی اور ثقافتی ورثہ کے مالک ہیں اور ہم پیدائشی طور پر ہی اس رفعتِ مقام پر فائز ہو چکے ہیں جو کہ ہماری بقا کی بنیاد و استحکام کے لئے علوم و فنون کے جمع ہونے کے باعث استوار ہوئی تھی۔

جوں جوں تمدنی وِرثہ کی سطح بلند تر ہوتی جاتی ہے، اسی نسبت سے اس کے وارث انسانوں کا رُتبہ بھی بلند ہوتا جاتا ہے۔

تاریخ دوسری سب باتوں کے علاوہ، اِسی وِرثہ کی تخلیق و تدوین اور اسے رقم کرنے کا نام ہے۔ اور ترقّی اس وِرثہ میں اضافے، اس کی حفاظت، اشاعت اور استعمال کو کہا جاتا ہے۔ اگر ہم تاریخ کا مطالعہ محض انسانی حماقتوں اور جرائم کی یاد دہانی اور ان کے خلاف تنبیہ سمجھ کر نہیں بلکہ تخلیق کاروں کی حوصلہ افزاء یاد آفرینی کے طور پر کریں تو ماضی افسردہ کُن بھوت گھر نظر آنے کی بجائے ایک ملکوتی شہر نظر آتا ہے۔ ایک ایسی وسیع و عریض مملکتِ خیال جہاں ہزاروں ولی، مدّبر، مُوجد، سائنس دان، شاعر، مصور، عاشق اور فلسفی ابھی تک زندہ اور مصروف عمل ہیں۔

مورخ کو اس امر پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اسے وُجودِ انسانی کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا سوائے اس کے جو انسان خود اپنے لئے طے کر لیتا ہے۔ بلکہ یہ تو ہمارے لئے باعث فخر ہونا چاہیئے کہ ہم اپنی زندگی کا مفہوم خود متعین کرتے ہیں اور بعض اوقات وہ اس قدر اہم اور بامعنی ہو جاتا ہے کہ موت بھی اس پر غالب نہیں آسکتی۔ وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے جو مرنے سے پیشتر جس قدر بھی ممکن ہو اپنے تمدنی ورثہ کو جمع کرے اور اسے اپنے بچوں تک منتقل کر دے۔ اپنے آخری لمحات میں وہ اس نہ ختم ہونے والے تہذیبی ورثہ کے لئے شکر گزار ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسی میں نسل انسانی کی بقا مضمر ہے اور یہی تہذیبی ورثہ ہی ابدی زندگی کی ایک صورت ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر ظفر الحسن پیرزادہ

پیدائش عارف والا ضلع پاکپتن جہاں قیام پاکستان کے وقت ان کا خاندان مشرقی پنجاب کے ضلع انبالہ سے ہجرت کر کے آباد ہوا۔ مقامی سکول سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج ساہیوال سے ایف ایس سی کرنے کے بعد ظفر الحسن پیرزادہ نے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ طبیعات سے بی ایس سی (آنرز) اور ایم ایس سی کی ڈگریاں اعزاز کے ساتھ حاصل کیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ہی ایم۔فل کیا اور 1992ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ایجوکیشنل پلاننگ اینڈ منیجمنٹ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

پروفیسر ظفر الحسن پیرزادہ نے ملازمت کا آغاز بطور لیکچرار گورنمنٹ کالج ساہیوال سے کیا اور پنجاب کے مختلف تعلیمی اداروں بشمول گورنمنٹ کالج، لاہور، اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور میں درس و تدریس کے طویل تجربے کے علاوہ مختلف انتظامی عہدوں پر کام کرتے رہے۔ آج کل بطور پرنسپل گورنمنٹ ایم اے او کالج میں تعینات ہیں۔

پیرزادہ صاحب کو سائنسی و سماجی تحقیق سے بے حد دلچسپی ہے۔ ان کے نزدیک دنیا کے بیشتر مسائل سائنسی و سماجی علوم کی ترقی میں افراط و تفریط اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے عدم توازن کا نتیجہ ہیں۔ اور فنون لطیفہ و سماجی علوم کو انسانی معاشروں میں صحیح اور جائز مقام دے کر ہی ترقی کی حقیقی منزل کا حصول ممکن ہے۔

اردو زبان سے گہرے شغف کی بنا پر تراجم کی جانب مائل ہوئے۔ جان پرکنز کی کتاب "The Confessions of an Economic Hit Man" کے اردو ترجمہ "ایک معاشی غارت گر کی کہانی۔ اسکی اپنی زبانی" کو علمی و ادبی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔

زیر نظر کتاب ول ڈیورانٹ کی مشہور تصنیف "The Lessons of History" کا ترجمہ ہے۔ موضوع کی اہمیت اور تحقیق کے اعلیٰ معیار کی بدولت اس کا شمار دنیا کی بہترین کتابوں میں کیا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہرہ آفاق مورخ، محقق اور ماہر بشریات ولیم جیمز ڈیورانٹ (William James Durant)
5 نومبر 1885ء کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاست میساچوسٹس میں نارتھ ایڈمز کے مقام پر پیدا ہوئے۔
سینٹ پیٹرز کالج جرسی سٹی سے 1907ء میں گریجویشن کی 1917ء میں کولمبیا یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ
کیا اور درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ ہو گئے۔
1926ء میں ان کی مشہور عالم تصنیف "The Story of Philosophy" شائع ہوئی۔
اس کتاب کی بیس لاکھ سے زائد جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔ اور بہت سی زبانوں میں اس کے تراجم بھی شائع
ہوئے ہیں۔
ول ڈیورانٹ نے 1935ء میں "The Story of Civilization" کے عنوان سے انسانی
تاریخ و تمدن پر ایک شاندار سلسلہ تصانیف کا آغاز کیا۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی "Our Oriental Heritage"
1936ء میں منظر عام پر آئی اسی سلسلے کی دسویں کتاب "Rousseau and Revolution" کو
1968ء میں پولیٹزر (Pulitzer) انعام ملا۔ Story of Civilization کے عنوان کی آخری
کتاب "The Age of Napoleon" 1975ء میں شائع ہوئی۔
ول ڈیورانٹ (Will Durant) 7 نومبر 1981ء کو لاس اینجلز، کیلی فورنیا میں انتقال کر گئے۔
ان کی بیوی اور شاگرد آریئل ڈیورانٹ (Ariel Durant) 10 مئی 1898ء کو روس میں پیدا
ہوئیں۔ آریئل Story of Civilization کی آخری پانچ جلدوں میں ول ڈیورانٹ کے ساتھ شریک
مصنفہ تھیں۔ ان کا انتقال ول ڈیورانٹ کی وفات سے دو ہفتہ قبل 25 اکتوبر 1981ء کو ہوا۔
The Lessons of History بھی دونوں کی مشترکہ تصنیف ہے۔
خیالات کے تنوع، اسلوب کی دلکشی و رعنائی اور تحقیق کے اعلیٰ معیار کے باعث ان کا شمار فلسفہ و تاریخ
کے بہترین مقبول عام مصنفین میں ہوتا ہے۔

FAZEEL KIANI

ارفع پبلشرز

گنج شکر 38-اے ... فون: 0423-7247077

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ